صدسالہ عرس مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ۱۴۴۰ سنہ ھ کے موقع پر

فرشتوں کے احوال

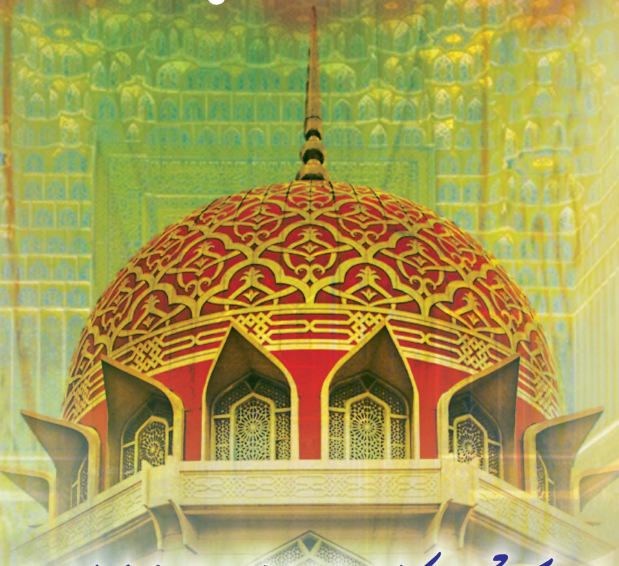

سید اولاد رسول قدسی مصباحی

ادارہ افکار رضا جمشید پور

فرشتوں کے احوال

تصنیف لطیف

سید اولاد رسول قدسی مصباحی

نیویارک۔ امریکہ

حسب فرمائش

ناصر ملت الحاج سید عطا محی الدین حبیبی

ناشر

ادارۂ افکار رضا جمشید پور

موبائل: 8409987217

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	فرشتوں کے احوال
مولف	:	علامہ سید اولا د رسول قدسی، مصباحی
تصحیح و پیش لفظ	:	مفتی عبد المالک مصباحی
حسب فرمائش	:	ناصر ملت الحاج سید عطا محی الدین حبیبی
صفحات	:	104
ہدیہ	:	50
سن اشاعت	:	۱۴۴۰ھ/۲۰۱۸ء بموقع صد سالہ عرس امام احمد رضا علیہ الرحمہ
تعداد	:	1100
کمپوزنگ	:	رضا کمپیوٹر گرافکس، جمشید پور

التماس

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ الحاج عبد الحامد مرحوم اور جشن مبارک بیگم مرحومہ کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

شرف انتساب

وارث انبیا، امام العلما، افقہ الفقہا، نور نگاہ شاہ دریا، محافظ مسلک رضا، ولی ابن ولی سیدی مفتی اعظم اڈیشا قدس سرہ کے نام:

جن کی حیات کا ہر گوشہ فضل وکمال کا شاہکار اور عشق رسالت کا آئینہ دار تھا اور جن کی نگاہ شفقت وولایت نے مجھے بارگاہ رب العزت کا واصل، مختلف علوم وفنون کا حامل اور تحفظ مسلک رضا کے قابل بنایا۔

ع

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

سید اولاد رسول قدسی مصباحی

نائب سجادہ نشین

خانقاہ قدوسیہ، بھدرک، اڈیشا، انڈیا

فہرست مضامین

پیش لفظ	7
نوری مخلوق کی وجہ تسمیہ	10
ملک کی تحقیق	10
انبیا کی بارگاہ میں حضرت جبرئیل کی حاضری؟	11
فرشتوں کی اہمیت	12
فرشتوں کی تخلیق	12
فرشتوں کی شرعی حیثیت	13
فرشتوں کی ذمہ داریاں	14
فرشتوں کا رسول ہونا	19
فرشتوں سے پہلے زمین کا مالک	21
تکبر کا انجام	22
شیطان کے اہم حربے	23
فرشتوں کی تعداد	25
کیا فرشتوں کی تخلیق کا سلسلہ بند ہو گیا؟	27
مسلمانوں کو خوش کرنا	28
پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت	29
فضائل درود شریف احادیث کی روشنی میں	29
تابوت سکینہ کیا ہے؟	34

صحابہ کرام کا جوش ایمانی	35
تابوت سکینہ کی ہیبت	36
تابوت سکینہ حضرت شمویل کی بارگاہ میں	38
حضرت داؤد علیہ السلام کا عبرت آموز واقعہ	39
فرض نمازوں کی تاریخی حیثیت	41
حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ	42
حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دعوت کا نظارہ	45
حضرت خلیل علیہ السلام نار نمرود میں	46
حضرت خلیل کی نازبرداری	47
حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سرعت رفتار	48
حضرت لوط علیہ السلام اور فرشتوں کی آمد	49
حضرت لوط علیہ السلام کا مرکز تبلیغ	49
لواطت کی مذمت احادیث کی روشنی میں	51
قوم لوط کا تذکرہ قرآن کریم میں	51
لواطت ایک بدترین گناہ	53
دنیا کی سب سے قیمتی گائے	53
گائے کا واقعہ	56
تذکرہ قوم حزقیل علیہ السلام کا	58
حضرت حزقیل علیہ السلام کا تعارف	59
حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم پر عذاب الٰہی	60
حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور فرشتوں سے مشورہ	62
مشورہ کی اہمیت	63

سجدہ کتنی مرتبہ کیا گیا؟	65
سب سے بڑی گواہی	66
ایک خاص آیت کی عظمت	66
خدا کی وحدانیت اور ایک بڑھیا	69
حضرت یحیٰی کی ولادت کی بشارت	70
آیت کا شان نزول	71
حضرت عیسٰی علیہ السلام کلمۃ اللہ کیوں؟	73
حضرت مریم علیہا السلام کی عظمت	74
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عظمت	75
قصہ ہاروت اور ماروت کا	76
بابل کیا ہے؟	77
فرشتوں کی عظمت شان	79
نبی کریم ﷺ کا رعب	81
علم غیب احادیث کی روشنی میں	83
رب کا دیدار بیداری کی حالت میں ہوا	86
ام جمیل سے حضور ﷺ کی حفاظت	89
کاتبین اعمال فرشتے	91
محافظین فرشتے	93
ذکر کی ترغیب	97
سب سے مقرب فرشتہ کون؟	100
فرشتوں کو موت کب آئے گی؟	101

پیش لفظ

فرشتے کیا ہیں؟ ہر دور اور ہر زمانے کی طرح آج کی سائنسی اور ترقی یافتہ دنیا بھی اس سوال کے جواب کی متجسس ہے۔ جس کی وکالت اور ترجمانی علماے اسلام کی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو پہلے پارہ سے لے کر آخری پارے تک جا بجا فرشتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ فرشتے کیا ہیں؟ کس چیز سے پیدا کیے گیے؟ ان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے اور انسان سے ان کے تعلق کی صورتیں کیا ہیں؟ ان سب سوالوں کی تفصیلی جان کاری کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس لیے ان تمام سوالات کے جوابات پیش نظر کتاب میں موجود ہیں مجموعی طور پر ہمارے لیے فرشتے کے وجود کو اس طرح تسلیم کرنا ہے جس طرح قرآن کریم نے ماننے کا حکم دیا ہے کیوں کہ فرشتوں کی ایک حیثیت وہ بھی جسے مشرکین مکہ تسلیم کرتے تھے مگر وہ قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ حالاں کہ ان کے پاس سوائے اپنی من گھڑت باتوں کے کوئی اعتنا دلیل نہ تھی اسی طرح سے بعض دانش ور کہے جانے والوں نے انھیں نیکی اور بدی کے اثر سے تعبیر کیا ہے! یہ دونوں نظریات سراسر غلط اور باطل ہیں اس لیے ان کے وجودِ واقعی و حقیقی سے صحیح واقفیت ضروری ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی حقیقت کی جان کاری اور ان کی صحیح معرفت ہمارے ایمانیات کا حصہ ہے۔ ایمان کے چھ بنیادی عقائد میں ایک فرشتوں کو ماننا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ قرآن مقدس کا ارشاد ہے:

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب و لکن البر من امن باللہ و الیوم الاخر و الملائکۃ و الکتب والنبیین۔ (سورۃ البقرۃ :۱۷۷)

''ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف رُخ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر ،قیامت کے دن پر،فرشتوں پر،(اللہ کی) کتاب پر اور (اس کے)نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔''

.یا ایھا الذین امنوا باللہ و رسولہ والکتاب الذی نزل علی رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل و من یکفر باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و الیوم الاخر فقد ضل ضلا لا بعیدا۔ (سورۃ النساء:۱۳۶)

اے ایمان والو!اللہ تعالیٰ پر،اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)پر،اس کی کتاب پر جواس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اوران کتابوں پر جواس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں،ایمان لاؤ!جوشخص اللہ سے،اس کے فرشتوں سے،اس کی کتابوں سے،اس کے رسولوں سےاورقیامت کےدن سےانکارکرے،وہ تو بہر حال دور کی گمراہی میں جاپڑا۔'

نیز اس سلسلے میں احادیث بھی بکثرت موجود ہیں ۔جیسا کہ آئندہ سطور میں تفصیلی بیان موجود ہے۔

علامہ سید اولاد رسول قدسی کی پیش نظر کتاب ''فرشتوں کے احوال''اس حوالے سے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔اس کتاب میں انھوں نے قرآن وحدیث کے بکھرے ہوئے شہ پاروں کو یکجا کر کے ایک ایسا گراں مایہ مرقع تیار کردیا ہے جس سے عوام وخواص ہرایک یکساں طور پر مستفید ہوسکتے ہیں۔

سید اولاد رسول قدسی شاعر،ادیب،خطیب،عالم،مفکر،سوانح نگاراورسیرت نگار کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے اندر متنوع اور گونا گوں

خصوصیات جمع ہیں۔ ’’فرشتوں کے احوال‘‘ میں بھی ان کا ایک الگ رنگ نظر آ رہا ہے، اس کتاب میں ان کی فکری جولانیت اور بات سے بات نکالنے کی ٹیکنک پورے شباب پر نظر آتی ہے۔ اس سے قدسی صاحب کی جہاں کثرت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے وہیں استحضار ذہنی کا بھی۔

سید اولاد رسول قدسی سطحی جذباتیت کو فروغ دینے کے بجائے ٹھوس اور مستحکم حقائق کی ترویج و اشاعت کے سفیر ہیں تقریر و خطابت پر انھیں ملکہ حاصل ہے مگر تحریر و تصنیف کو ہی دین و سنیت کے فروغ کے لیے موثر طریقہ کار سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ تقریر کے ساتھ تحریر پر بھی اپنی توجہ پوری طرح مرکوز رکھتے ہیں۔ دو درجن کے قریب انتہائی اہم کتابیں میرے اس دعویٰ کی بین دلیل ہیں۔ ان کی تحریر میں سلاست و روانی اور شگفتگی و دل ربائی کے جلوے ہر چار سو نظر آتے ہیں۔ ان کے خیالات میں وسعت و گہرائی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے یہ اسی گہرائی و گیرائی کا نتیجہ ہے کہ ایک ایسا موضوع جس پر بہت کم مواد دستیاب نہیں انھوں نے اسے خاطر خواہ بنا دیا۔ اس موضوع پر لکھنے والوں کے لیے یہ کتاب یقیناً سنگ میل کی حیثیت رکھے گی۔

اس عظیم کاوش پر میں سید اولاد رسول قدسی کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور خواہش کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اس قسم کے اچھوتے موضوعات پر خامہ فرسائی کر کے اہل ذوق کے لیے تسکین کا سامان فراہم کرتے رہیں گے۔

فقط

(مفتی) عبدالمالک مصباحی

خطیب و امام مدینہ مسجد، چیف ایڈیٹر دو ماہی رضائے مدینہ،

بانی و سربراہ دارین اکیڈمی و ادارہ افکار رضا، جمشید پور

۲۰ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ/۳۰ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاق کائنات کی مخلوقات میں کچھ ایسی بھی مخلوقات ہیں جنہیں نوری ''مخلوقات'' ہونے کا اعجاز وافتخار حاصل ہے، انہیں کو ہم اردو میں ''فرشتوں'' کے نام سے جانتے ہیں۔

نوری مخلوقات کی وجہ تسمیہ:

انہیں نوری مخلوقات سے اس وجہ سے موسوم کیا جاتا ہے کہ ان کی تخلیق نور سے عمل میں آئی ہے جیسا کہ:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

خلقت الملائکۃ من نور وخلق الجآن من نار و خلق آدم مما وصف لکم۔ (مسلم شریف)

یعنی فرشتے نور سے پیدا کیے گیے، جن آگ سے اور آدم کی تخلیق اس سے جو تمہیں بتایا جاچکا۔

ملک کی تحقیق:

ان نوری مخلوقات کو اردو میں فرشتہ اور عربی میں **مَلَک** کہا جاتا ہے۔ ملک واحد ہے اور اس کی جمع ملائکہ ہے۔ ملک کی وجہ اشتقاق ملوکہ ہے اور ملوکہ کا معنیٰ پیغام کے آتا ہے۔ اگر اس لفظی تناظر میں دیکھا جائے تو پھر ملک کے معنیٰ ہوگا قاصد۔ فرشتے کو ملک

یعنی قاصد اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ و رسول کے درمیان واسطہ ہوا کرتے ہیں اور یہ انبیاے کرام علیہم السلام کی بارگاہوں میں خداوند قدوس کا پیغام بصورت وحی پہچانے کا کام بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں رب کائنات کی جانب سے دنیا میں رحمت وعذاب لانے کا کام بھی انہیں نوری مخلوقات کے سپرد ہے۔ ان کا تعلق عالم ملکوت سے ہے اور انہیں رب کائنات نے انتہائی طاقتور بنایا ہے۔ من جانب اللہ انہیں یہ اختیار بھی ہے کہ وہ جو شکل چاہیں بدل لیں چاہیں انسانی شکل ہو یا اور کوئی شکل۔

جہاں تک وحی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر و بیشتر یا تو کسی اعرابی کی یا صحابیٔ رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل کرتے رہے۔

انبیا کی بارگاہ میں حضرت جبرئیل کی حاضری؟

انبیا کی بارگاہ میں حضرت جبرئیل کی حاضری؟ کتنی بار باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ اس سلسلہ میں زرقانی جلد اول ۲۳۲ میں درج ہے کہ:

یوں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخرالزماں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی خدمت میں وحی لے کر حاضر ہوتے رہے لیکن سب سے زیادہ انھیں حاضری کا شرف ملا تو وہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ گہر بار میں ملا۔

حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں بارہ مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں پچاس مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام کی بارگاہ میں چار مرتبہ، جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں بیالیس مرتبہ، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں چار بار، حضرت ایوب علیہ السلام کی بارگاہ میں تین مرتبہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں دس مرتبہ مگر رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر انوار میں چوبیس ہزار

مرتبہ اعزاز حاضری سے بہرہ ور ہوئے۔ قرآن مجید میں جا بجا رب کائنات نے فرشتوں کا ذکر جمیل فرمایا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس مختصر کتاب کے اخیر میں قرآن مقدس کی آیات کی روشنی میں ان مقامات کا اجمالا ذکر کریں گے۔

فرشتوں کی اہمیت:

ایک مسلمان کے لیے جہاں خدا، انبیائے کرام، کتب ساویہ، تقدیر، جنت، دوزخ اور بعث بعد الموت پر ایمان رکھنا لازمی ہے وہیں فرشتوں کے وجود مسعود کو بھی یقین کی حد تک تسلیم کرنا ضروری یہی وجہ ہے کہ وجود ملائکہ پر ایمان کو ضروریات دین میں شامل کیا گیا ہے، چناں چہ ایمان مفصل میں اس کا بیان مذکور ہے۔ بعض اشخاص نے اپنی طبعی اختراع کی بنیاد پر فرشتے کے وجود کا انکار کیا اور انہیں معاذ اللہ ایک فطری یا نیکی کی قوت کا نام دیا۔ بلاشبہ ایسے اقوال فاسد غیر اسلامی اور خلاف نصوص قطعی ہیں۔ ایسے قائلین کا نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے نہ قرآن سے نہ ایمان سے کوئی سروکار۔

فرشتوں کی عظمت شان ایسی مسلم ہے کہ فقہائے کرام نے اپنی تصنیفات میں فرشتوں میں سے کسی ایک فرشتہ کے ساتھ ادنیٰ سی توہین کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی دشمن کو دیکھ کر یہ کہنا ملک الموت آ گیا جیسے جملے کو بھی قریب کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بھلا کیوں نا ہو جب کہ فرشتوں کی تخلیق ربانی روح اور نور عزت سے ہوئی ہے:

فرشتوں کی تخلیق؟

فرشتوں کی تخلیق کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمتہ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ کے جلد چہارم میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث یوں نقل فرمائی ہے :

عن عكرمة رضى الله عنه قال :خلقت الملائكة من نور العزة۔
یعنی فرشتہ نورالعزت سے پیدا کئے گئے ہیں اور دوسری حدیث یوں ہے:

عن يزيد ابن رومان رضى الله عنه قال بلغنى ان الملائكة خلقت من نور الله۔

یعنی فرشتے ربانی نور سے پیدا کیے گئے۔

واضح رہے کہ فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت۔ ہر فرشتہ کی ایک نوعی صورت ہوتی ہے صحیح بخاری کے اندر مندرج ہے:

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دومرتبہ مکۃ المکرّمہ کے مقام جیاد اور شب معراج سدرۃ المنتہیٰ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی ملکوتی شکل میں دیکھا اور صحابۂ کرام کو بتایا کہ میں نے جبرئیل کو اس حال میں دیکھا کہ وہ پورے افق کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے چھ سو بازو ہیں اور ہر بازو سے موتی اور یاقوت جھڑا کرتے ہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت، فتاوی رضویہ جلد چہارم میں ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں وہ اگر ایک پر پھیلا دیں تو افق آسمان چھپ جائے۔

فرشتوں کی شرعی حیثیت:

یہ بات واضح رہے کہ خداوند قدوس کی جملہ مخلوقات میں صرف انبیاے کرام اور ملائکہ علیہم السلام معصوم ہوا کرتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں معصوم اسے کہتے ہیں جس سے نہ کبھی گناہ سرزد ہوا ہو اور نہ ہونے کا امکان ہو۔

اس اصطلاح میں انبیاے کرام اور ملائکہ علیہم السلام کی ذوات مقدسہ مختص ہیں ان کے علاوہ کسی اور پر لفظ معصوم کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کے علاوہ وہ بندے جنھیں اللہ رب

العزت کا قرب حاصل ہے انہیں محفوظ کہا جائے گا نہ کہ معصوم۔ جب یہ بات مسلم ہے کہ فرشتے سب کے سب معصوم ہوتے ہیں تو پھر ان سے کسی قسم کا گناہ متصور ہی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کی سارے فرشتے بلاشبہ ساجد،عبادت گزار،زہدوتقویٰ کے شہسوار اور مقربین پروردگار ہیں۔ان کے اندرخشیت الٰہی کا عنصر ایسا غالب ہے کہ ان میں سے کوئی بھی رب کائنات کے حکم کے خلاف ذرہ برابر بھی روگردانی نہیں کرسکتے۔ جس فرشتے کو رب کائنات نے جس کام پر مامور کردیا ہے وہ اسی کام پر للٰہیت کے ساتھ کاربند ہے۔

فرشتوں کی خشیت الٰہی کے متعلق تفسیر ابن کثیر میں بعض صحابہ سے مروی حدیث یوں مذکور:

عن بعض الصحابة رضی الله عنهم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لله ملائکة ترعد فرائصهم من خیفته ،ما منهم ملك تقطر منه دمعته الا وقعت ملکا قائما یسبح۔

یعنی بعض صحابہ سے مروی ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض فرشتے ایسے ہیں کہ جن کے پہلو اور مونڈھے کے درمیانی حصے خداوند کونین کے خوف سے کانپتے ہیں ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے قطرات اشک ٹپکتے ہیں وہ قطرات اشک گرتے گرتے فرشتے بن کر رب قدیر کی تسبیح وتقدیس میں منہمک ہوجاتے ہیں۔

فرشتوں کی ذمہ داریاں:

کچھ فرشتے وہ ہیں جو معرفت الٰہی میں ہمہ وقت استغراقی کیفیات میں معمور رہتے ہیں، کچھ وہ ہیں جن کے ذمے عالم کا نظام وانصرام ہے۔ کچھ وہ ہیں جو دنیا کے کاروبار کی تدبیر کرتے ہیں جیسا کہ تفسیر بغوی کی پانچویں جلد میں صفحہ ۵۱۲ کے اندر مذکور ہے:

عن عبد اللہ ابن عباس رضی الله عنه قال فی قوله تعالیٰ

فالمدبرات امراهم الملائكة و كلوا بامور عرفهم الله تعالىٰ العمل بها،قال عبد الرحمن ابن سابط يدبر الامر فى الدنيا اربعة جبرئيل و مكائيل وملك الموت و اسرافيل عليهم السلام اما جبرئيل فموكل بالوحى والبطش وهزم الجيوش و اما ميكائيل فموكل بالمطر والنبات ولا رزاق واما ملك الموت فمئوكل بقبض الانفس و اما اسرافيل فهو صاحب الصور ولا ينزل الا لامر عظيم۔

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں رب کائنات نے ان فرشتوں کو جو مدبرات امر ہیں ان کو امور کی انجام دہی کی تعلیم دی حضرت عبدالرحمٰن ابن سابط رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام دنیا میں اموریتدبیر کے لیے متعین ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحیٔ الٰہی کے علاوہ ہواوں اور لشکروں پر موکل ہیں یعنی ہواوں کو چلاتے ہیں اور لشکروں کو فتح وشکست سے دوچار کرتے ہیں حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے اور روئیدگی پر متعین ہیں، حضرت عزرائیل علیہ السلام روحوں کو قبض کرنے پر مقرر ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر اس کے ساتھ ساتھ زمین پر من جانب اللہ عظیم حکم آپ کی توسط سے آتا ہے۔ چھ وہ ہیں جو عرش اعظم کو اٹھائے ہوئے ہیں جنہیں حاملان عرش کہا جاتا ہے۔ حاملان عرش فرشتوں سے متعلق حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ اپنی شہرہ آفاق کتاب مستطاب مکاشفۃ القلوب میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں:

جب رب کائنات نے حاملان عرش کی تخلیق کے بعد انہیں عرش اٹھانے کا حکم صادر فرمایا تو وہ کافی سعی کے بعد بھی اٹھانے پر قادر نہ ہوسکے تو اللہ تعالیٰ نے ان حاملان عرش فرشتوں میں سے ہر فرشتے کے ساتھ سات آسمانوں کے فرشتوں کی تعداد کے برابر مزید

فرشتے پیدا کیئے پھر وہ بھی عرش کو اٹھا نہ سکے بالآخر رب قدیر نے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے برابر مزید فرشتوں کی تخلیق فرمائی تاہم ان سب سے حمل عرش کی تکمیل نہ ہو پائی جب خداوند قدیر نے ان کثیر تعداد فرشتوں کی عدم قدرت دیکھی تو فرمایا کہ تم **لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم** کا ورد کرتے ہوئے عرش اعظم کو اٹھاؤ تب جوں ہی فرشتوں کی زبان سے **لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم** کی صدائیں نکلیں تو بفضلہٖ تعالیٰ عرش اعظم کو اٹھانے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک بلکہ صبح قیامت تک حاملین عرش فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اٹھائے رہیں گے۔ کچھ وہ ہیں جو عرش اعظم کے اردگرد طواف کرتے رہتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کی زیر نگہداشت جنت وجہنم ہیں۔ کچھ وہ ہیں جنہیں انسانوں کی حفاظت کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ تفسیر ابن حجر کے حوالے سے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں حضرت ابو کنانہ عدوی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل فرماتے ہیں:

"عن کنانه العدوی رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ملك قابض علی ناصیتك فاذا تواضعت لله رفعك واذا تکبرت علی الله قصمك وملك قائم علی فیك لا یدع الحیة ان تدخل فی فیك"۔

یعنی حضرت ابو کنانہ عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک فرشتہ تیری پیشانی کے بال تھامے ہوئے ہے، جب تو اللہ عزوجل کے لیے تواضع کرے تجھے بلندی بخشتا ہے اور جب تو معاذ اللہ اس پر تکبر کرتا ہے تجھے توڑ دیتا ہے، ہلاک کر دیتا ہے اور ایک فرشتہ تیرے منہ پر کھڑا ہے کہ سانپ کو تیرے منہ میں نہیں جانے دیتا۔ کچھ وہ ہیں جو ہمارے نامۂ اعمال لکھتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو ہمیں گناہوں سے محفوظ رہنے میں مدد کرتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو ہمیں نیکیوں کی طرف راغب کرتے ہیں

، کچھ وہ ہیں جو پانی برساتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو ہم تک رزق پہنچاتے ہیں جیسا کہ کنز العمال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے:

قال رسول الله ﷺ ان لله تعالیٰ ملائکة موکلین بارزاق بنی آدم۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو بنی آدم کے رزق پر متعین ہیں، کچھ وہ ہیں جو خداوند قدوس کے ذاکرین کی مجلس تلاش کر کے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور رحمت و نور کی برسات کرتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو سوالات قبر کرتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو روح قبض کرنے پر مامور ہیں، کچھ وہ ہیں جن کا کام یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام پیش کرتا ہے تو وہ فورا درود و سلام لے کر بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں پہنچاتے ہیں جیسا کہ مشکوۃ شریف کی حدیث مندرجہ ذیل ہے :

قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس من عباد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان۔

یعنی کوئی بھی بندہ ایسا نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر یہ کہ مجھ تک نہ پہنچے۔

صاحب مرقات حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

بندۂ مومن کی پیشانی پر ایک فرشتہ موکل ہے جو سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں بندۂ مومن کے بھیجے ہوئے درود پاک کو فورا آپ تک پہنچاتا ہے۔ کچھ وہ ہیں جو شکم میں بچے کی ساخت کرتے ہیں جیسا کہ مسلم شریف کتاب القعود میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی بڑی شرح وبسط کے ساتھ حدیث مندرجہ ذیل مذکور ہے:

قال رسول الله ﷺ اذا مر بالنطفة اثنتان و اربعون لیلة بعث الله ملکا فصورها و خلق سمعها و بصرها و جلدها ولحمها و عظامها

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نطفے پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو خداوند قدوس اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے وہ آکر اس کی صورت بناتا ہے کان ،آنکھ، کھال، گوشت ،ہڈیاں تیار کرتا ہے۔ کچھ وہ ہیں جو انسانوں کے مصائب وآلام کے اوقات میں امداد کرتے ہیں تفسیر کبیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث یوں مذکور ہے:

اگر کوئی انسان کسی سنسان صحرامیں بے یارومددگار بھٹک جائے تو ایسی صورت میں یوں کہے "اعینونی عباداللہ یرحمک اللہ" یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کو پہنچو تو پھر وہ فرشتے جو انسانوں کی حفاظت پر متعین ہیں وہ فوراً آکر مصیبت ناگہانی سے نجات دلاتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی فرشتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ خداوند قدوس کے محبوبوں کی امداد کرتے ہیں بلکہ دشمنان اسلام کے مابین ہیبت اور خوف ڈالتے ہیں جیسا کہ پہلی جنگ، جنگ بدر کے موقع پر پانچ ہزار فرشتوں کی نورانی فوجیں میدان بدر میں اتریں اور دیکھتے ہی دیکھتے چشم زدن میں میدان جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔صورت حال یہ تھی کہ فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے مگر حدیث پاک اس بات پر غماز ہے کہ فرشتوں کی ضرب شدید کے اثرات کفار مکہ پر مرتب ہوتے صاف محسوس ہوتے تھے۔صرف یہی نہیں بلکہ کچھ ایسے کفار بھی تھے جن کے سر بغیر کسی تلوار کے وار کے کٹ کر میدان بدر میں پڑے نظر آئے اور بعض کافروں کی ناک منہ پر فرشتوں کی غیبی مار کے نشان واضح طور پر ہویدا تھے ۔کافروں کا ایک ہزار کا لشکر جرار یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا۔چنانچہ سورۂ آل عمران کے تیرہویں رکوع میں رب کائنات کا ارشادگرامی ہے:

لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقو ا اللہ لعلکم تشکرون ،اذا تقول للمئونین الن یکفیکم ان یمدلم ربکم بثلثۃ الٰف من الملائکۃ

منزلین "بلیٰ ان تصبر و تتقو ا ویاتوکم من فور هم هذا یمددکم ربکم بخمسةالٰف من الملآئکة مسومین"

اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈروتا کہ تم شکرگزار بنو یاد کرو جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کو اتار کر تمہاری مدد فرمائے کیوں نہیں اگر تم صبرو تقویٰ کرو اور کافر اسی دم رم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہارے لیے پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیج دے گا۔ اگلی آیت میں رب کائنات کس قدر رحمت بھرے انداز سے مومنوں کو فتح و نصرت کا مژدہ سنا رہا ہے ملاحظہ فرمائیں **"وما جعله الا بشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم به وما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم"** یعنی اور یہ فتح اللہ نے دی مگر تمہاری خوشی کے لیے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔

فرشتوں کا رسول ہونا:

ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی مہتم بالشان فرشتے ہیں جنھیں رب کائنات نے منصب رسالت پر فائز فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الله یصطفیٰ من الملائکة رسلا:

یعنی اللہ فرشتوں میں سے رسول منتخب فرمالیتا ہے۔

واضح رہے کہ فرشتوں میں جو رسول ہوتے ہیں ان کی رسالت کا تعلق فرشتوں سے ہوتا ہے انسانوں سے نہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نگاہ رہے کہ وہ فرشتے جو رسول ہیں سارے فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ باستثنائے انبیاے کرام علیہم السلام جملہ انسانوں سے حتیٰ کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے بھی افضل ہیں۔ رہی بات کہ فرشتوں میں

کون سا فرشتہ سب سے افضل ہے تو اس سلسلہ میں یہ متفق علیہ قول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ذات بابرکات کو سارے فرشتوں میں افضلیت حاصل ہے ۔حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افضلیت کا یہ عالم ہے کہ آپ کو دعاؤں کے ردوقبول کا اختیار حاصل ہے نیز حاجت روائی کا۔ چنانچہ کنز العمال میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث یوں مرقوم ہے :

ان العبد المومن لیدعوا اللہ تعالیٰ فیقول اللہ تعالیٰ لجبرئیل لاتحبہ فانی احبہ ان اسمع صوتہٗ واذادعاہ الفاجرقال یاجبرئیل اقض حابتہ فانی لا احب ان اسمع صوتہٗ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ بندۂ مومن جب خداوند قدس کی بارگاہ میں دعائیں کرتا ہے تو رب قدیر ایسے موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ جبرئیل !اس کی دعا قبول نا کرنا کیوں کہ میں اس کی آواز کو دوست رکھتا ہوں اور جب کوئی فاجر دعا کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ جبرئیل !اس کی حاجت پوری کرو کیوں کہ مجھے اس کی آواز سننا گوارانہیں۔

اسی طرح امام فخر الدین رازی رضی اللہ عنہ اپنی مائیہ ناز تصنیف تفسیر کبیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث بیان کرتے ہیں:

عن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال ان عن یمین العرش نھرا من نور مثل السمٰوت السبع والارضین السبع والبحار السبع یدخل فیہ جبرئیل علیہ السلام کل سحر ویغتسل فیہ فیزداد نور الیٰ نورہ وجمالا الیٰ جمالہ ثم ینتفض فیخلق اللہ تعالیٰ من کل نطفۃتقع من ریشہ کذاکذا یدخل منھم البیت السبعون الفا ثم لا یعودون الیہ الیٰ ان تقوم الساعۃ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ساتوں آسمان، ساتوں زمین اور ساتوں سمندر کے برابر عرش اعظم کے دائیں جانب نور کی ایک ایسی نہر رواں ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام روزانہ صبح غسل فرماتے ہیں۔ اس غسل سے آپ کے نور و جمال میں رب کائنات اضافہ فرماتا ہے اور جب آپ غسل سے فراغت کے بعد اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں تو قطرات گرتے ہیں۔ خداوند قدوس ان قطرات سے جس قدر ہزار ہارہا فرشتوں کی تخلیق فرماتا ہے کہ ان میں سے ایسے ستر ہزار فرشتے بیت المعمور (فرشتوں کا قبلہ جو ساتویں آسمان پر موجود ہے) میں جاتے ہیں کہ پھر انہیں قیامت تک دوبارہ جانے کا موقع فراہم نہیں ہوتا یعنی ان کے علاوہ دیگر ستر ہزار جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔

علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف الدر المنثور میں مذکورہ حدیث سے ملتی جلتی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یوں قلم بند فرمائی ہے:

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ ان فی الجنۃ لنھرا ما یدخلہ جبرئیل دخلۃ فیخرج فینتفض الا خلق اللہ من کل قطرۃ تقطر منہ ملکا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک جنت میں ایک ایسی نہر ہے جس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام جب نکل کر باہر آ کر اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں تو خداوند قدوس ان کے پروں سے گرے ہوئے قطرات میں سے ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔

فرشتوں سے پہلے زمین کے مالک :

تفسیر کبیر میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مندرج ہے کہ ابوالبشر حضرت

آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ساٹھ ہزار سال پہلے رب کائنات کے حکم پر فرشتوں نے آسمان میں اور جنات نے زمین پر بودوباش اختیار کی۔ کتب تفاسیر اس بات پر متفق ہیں کہ زمین پر جنات کے قیام کا زمانہ سات ہزار سال تک رہا۔ جب ان کے اندر بغض و حسد، قتل وغارت گری، تعصب وتنافر حد سے تجاوز کر گئے تو رب کائنات نے قہر وغضب کا اظہار فرمایا اور شیطان کو فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ زمین پر بھیجا اور یہ حکم صادر فرمایا کہ تمام جنات کو زمین سے نکال کر پہاڑوں اور جزیروں میں آباد کر دو۔ واضح رہے کہ اس وقت شیطان ملعون و مردود نہیں ہوا تھا بلکہ رب کائنات کا انتہائی مقرب تھا۔ ہر چند کہ وہ فرشتہ نہیں تھا کیوں کہ اس کا مادۂ تخلیق نار تھا نا کہ نور مگر پھر بھی وہ علم و فضل، تقویٰ وطہارت اور عبادت و ریاضت کی بنیاد پر فرشتوں کے درمیان یکتائے روزگار تھا اور اس کا نام عزازیل تھا۔ اس کی عظمتوں کا یہ عالم تھا کہ زمین وآسمان میں ایک بالشت بھی ایسی جگہ نہیں جہاں اس نے بارگاہ خداوندی میں سجدے نہ گزارے مزید برآں جنت میں اس کی آمد و رفت پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی مگر اس کے حسد وتکبر نے اسے قیامت تک کے لیے رجیم ولعین بنا کر ذلیل وخوار بنا دیا اور اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔

تکبر کا انجام:

تفسیر عزیزی کے اندر بڑی درس خیز بات یوں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ کسی مقام پر شیطان کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوگئی تو اس نے اللہ کے کلیم علیہ السلام کے سامنے بڑی ندامت کا اظہار کیا اور کہنے لگا حضور میں اپنے کیے پر سخت نادم ہوں یقیناً میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا خداوند قدوس کے حکم کی عدم تعمیل سے میں نے بلاشبہ ناقابل معافی سنگین تر جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ مجھے

اپنے گناہ کا سخت احساس دامن گیر ہے اور یہی احساس مجھے ہر پل اور ہر لمحہ مضطرب و بیقرار کئے ہوئے ہے۔ اب میں صدق دل سے خلاق کائنات کی بارگاہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں کیا پتہ رب قدیر میری توبہ قبول فرمائے یا نہیں لہذا آپ اس کے جلیل القدر رسول ہیں اور آپ کو کلیم اللہ ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے از راہ کرم جب آپ کوہ طور پر تشریف لے جائیں تو باری تعالیٰ کی بارگاہ میں میری سفارش فرمادیں تا کہ وہ مجھے معافی کا پروانہ عطا فرمادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کائنات کی بارگاہ میں ساری باتیں پیش کیں اور شیطان کے احساس ندامت کا ذکر کرتے ہوئے اسے پروانۂ معافی عطا کرنے کی سفارش کی۔ رحمان وغفار خالق کونین نے اپنے کلیم سے فرمایا کہ اے کلیم !ٹھیک ہے جاؤ شیطان سے کہہ دو کہ میرے آدم کی قبر کو سجدہ کرلے تو میں اس کے سارے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔ اللہ الصمد! کبر و غرور کی بھیانک تصویر ملاحظہ کریں جوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان لعین کو رب قدیر کا پیغام سنایا تو کم بخت آپے سے باہر ہو گیا اور پھنکارتے ہوئے گرجدار آواز میں کہنے لگا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب میں نے زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا تو پھر مردہ آدم کو سجدہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب یہ سر آدم کے سامنے نہیں جھکا تو پھر قبر آدم کے سامنے بھی نہیں جھک سکتا۔ آہ کتنا بھیانک انجام غرور و تکبر کا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس بدترین گناہ سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

شیطان کے اہم حربے:

اسی تفسیر عزیزی میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اس واقعہ کے بعد شیطان نے کہا کہ حضور ہم آپ کے بہت مشکور ہیں کہ آپ نے ہماری شفاعت کی زحمت فرمائی اس لیے ہم آپ کو بہت اہم اور مفید بات بتاتے ہیں تا کہ اس طرح سے آپ کے احسان کا بدلہ بھی ہو جائے

گا اور قیامت تک کہ آنے والے انسان اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ یوں تو میں انسانوں کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہوں اور دلوں میں وسوسے ڈالتا ہوں اور انہیں مرتکب گناہ کرنا میرا محبوب مشغلہ ہے لیکن تین وقتوں میں بڑی آسانی کے ساتھ میں انہیں اپنے دام فریب میں لے کر گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہوں۔ ایک غصہ کے وقت یعنی جب انسان غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو میں اس میں مزید طیش کے شعلے بھڑکا کر سنگین سے سنگین تر جرم کروالیتا ہوں۔ دوسرا جب انسان خلوص وللہیت کے ساتھ فی سبیل اللہ کافروں کے ساتھ جہاد میں جواں مردی کا مظاہرہ کرتا ہے تو ایسے وقت میں اسے گھر بار اور خویش و اقربا کی یادیں دلا کر اس کے سارے جوش وخروش کو سرد کر دیتا ہوں ۔تیسرا جب کوئی انسان مرد غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو اس کے اندر برانگیختگی کی فضا قائم کر کے مبتلا بزنا کروادیتا ہوں۔

ضمناً شیطان کی باتیں چھڑ گئیں تو ایک اور اہم بات تفسیر روح البیان کے حوالے سے ملاحظہ فرمالیں:

شیطان کے کبر وغرور کا یہ عالم ہے کہ ایک لاکھ سال تک شیطان کو جہنم کی کھولتی ہوئی آگ میں رکھنے کے بعد رب کائنات فرمائے گا اے ابلیس! اب بھی وقت ہے تو میرے آدم کو سجدہ کر لے میں تجھے سخت ترین عذاب جہنم سے بچالوں گا مگر شیطان اپنے کبر وغرور کی بنیاد پر ایسے سنہرے موقع سے بھی متمتع نہیں ہو پائے گا اور بالآخر دائمی جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔ العیاذ باللہ

جملۂ معترضہ کے طور پر شیطان کا ذکر قدر طوالت کو مس کر گیا ہاں بات یہ چل رہی تھی کہ رب کائنات نے شیطان کو مع جماعت ملائکہ زمین پر بھیجا کہ سرکش وفسادی جنات کو زمین سے نکال کر جزیروں اور پہاڑوں میں آباد کر دیا جائے۔ چنانچہ شیطان نے حکم خداوندی پر عمل کرتے ہوئے زمین سے جنات کا انخلاء کر دیا۔ اس واقعے کے بعد جو

فرشتے آسمان سے شیطان کے ساتھ مذکورہ مہم کو انجام تک پہنچانے آئے تھے وہ رب قدیر کے حکم کے پیش نظر زمین پر آباد ہو گئے گویا فرشتوں کی دو قسمیں ہو گئیں ایک آسمانی اور دوسری زمینی۔

جہاں تک فرشتوں کی تعداد و تخلیق کا تعلق ہے اس سلسلے میں سورۂ مدثر میں رب کائنات ارشاد فرماتا ہے:

و ما یعلم جنود ربك الا هو (مدثر)

یعنی رب کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں جنود ربک یعنی رب کے لشکر سے مراد فرشتوں کی ذوات مقدسہ ہیں۔

فرشتوں کی تعداد

فرشتوں کی تعداد کے متعلق صاحب روح البیان شب معراج کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں:

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات فرشتوں کی لمبی لمبی قطاروں کو آتے جاتے دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل! یہ بتاؤ کہ ان سارے فرشتوں کی اس قدر کثیر تعداد میں آمد و رفت کا یہ سلسلہ کب سے جاری ہے اور ان کی آمد و رفت کی حدیں کیا ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! یہ مجھے بھی نہیں معلوم کہ یہ سلسلۂ آمد و رفت کب سے جاری ہے البتہ جب سے میری تخلیق عمل میں آئی تب سے انہیں میں یونہی آتا جاتا دیکھتا ہوں اور ان کے آنے جانے کی صورت حال یہ ہے کہ ایک بار جس فرشتے کا جس جگہ سے گزر ہو جاتا ہے پھر وہ دوبارہ ادھر سے نہیں گزرتا یعنی پھر دوسرا فرشتہ اس کی خانہ پوری کرنے کے لیے فوراً متعین ہو جاتا ہے۔ رہی بات ان کی آمد و رفت کی حدوں کی اس سلسلے میں مجھے کوئی علم نہیں کہ یہ

سلسلہ کہاں منتہی ہوتا ہے۔ اثنائے گفتگو قطاروں میں جانے والے ایک فرشتے سے سوال کیا گیا کہ یہ بتاؤ تمہاری عمر کتنی ہے۔ اس نے جواباً کہا کہ مجھے اپنی عمر کا کوئی تحقیقی علم نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ رب کائنات ہر چار لاکھ سال کے بعد ایک تارے کی تخلیق فرماتا ہے اور میں اب تک چار لاکھ تارے کو پیدا ہوتے مشاہدہ کر چکا ہوں۔

تفسیر روح البیان میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ انسانوں کی تعداد جنات کی تعداد کے مقابلے میں دسواں حصہ اور ان دونوں کی تعداد خشکی کے جانوروں کے مقابلے میں دسواں، ان سب کی تعداد پرندوں کے مقابلے میں دسواں حصہ، ان سب کی تعداد دریائی جانوروں کے مقابلے میں دسواں حصہ اور ان سب کی تعداد زمینی فرشتوں کے مقابل میں دسواں حصہ اور ان سب کی تعداد پہلے آسمان کے فرشتوں کے مقابل میں دسواں حصہ علیٰ ہذا القیاس چھ آسمانوں کے تمام فرشتوں کی تعداد ساتویں آسمان کے فرشتوں کے مقابلے میں دسواں حصہ اور اگر مذکورہ تمام مخلوقات کو یکجا کیا جائے تو ان سب کی تعداد کرسی کے فرشتوں کے بالمقابل کم پڑ جائے گی اسی طرح ان سب کی کل تعداد عرش اعظم کے ایک پردے کے فرشتوں کے مقابل بھی قلیل رہے گی۔ یاد رہے کہ مفسرین کرام اور محدثین عظام نے عرش اعظم کے پردوں کی تعداد چھ لاکھ بتائی ہے۔ صاحب تفسیر کبیر نے یہاں تک فرمایا کہ تمام مخلوقات عرش اعظم کے آس پاس گھومنے والے فرشتوں کے بالمقابل ایسی ہی ہیں جیسے دریا کے مقابل میں قطرہ۔

اب فرشتوں کی تعداد کا بھلا کون اندازہ لگا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین محدثین اور ارباب تحقیق فرشتوں کی حتمی تعداد بتانے سے قاصر رہے۔ بالآخر سب کو یہی کہنا پڑا کہ فرشتوں کی تعداد کتنی ہے خلاق کائنات خدائے وحدہ لاشریک جانے۔

کیا فرشتوں کی تخلیق کا سلسلہ بند ہوگیا؟

اب رہا یہ سوال کی کہ فرشتوں کی تخلیق کا سلسلہ منقطع ہوگیا یا اب بھی رواں دواں ہے اس سلسلے میں سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ شریف کی چوتھی جلد میں مختلف احادیث و اقوال پیش کرنے کے بعد تجزیۃً رقم طراز ہیں ان سے ثابت کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے، ہر روز بے شمار بنتے ہیں جن کی گنتی ان کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

احادیث نبویہ اور دیگر کتب معتبرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رب کائنات مختلف مواقع پر گونا گوں اسلوب سے فرشتوں کی تخلیق فرماتا رہتا ہے مثلاً امام عالی مقام حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث جسے سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ الامن والعلی میں نقل فرماتے ہیں:

قال قال رسول الله عليه وسلم ما ادخل رجل على مومن سرورا الا خلق الله عز وجل من ذالك السرور ملك يعبد الله عزوجل يوحد ه فاذا صار العبد فى قبره اتاه ذالك السرور فيقول الم تعرفنى فيقول من انت يقول ذالك السرور الذى ادخلته فى قلب ذالك المسلم انا اليو م اونس و حشتك و القئك حجتك و اثبتك بالقول الثابت و اشهدك مشاهدك يوم القمامةو اريك منزلك من الجنة۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خوشی فراہم کرتا ہے تو رب قدیر اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے وہ فرشتہ اللہ رب العزت کی عبادت کرتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ اس کی توحید بیان کرنے میں رطب اللسان رہتا ہے۔ جب وہ خوشی فراہم کرنے والا اپنی قبر میں جاتا ہے تو وہ فرشتہ اس کے پاس آ کر اپنی پہچان کرواتا ہے اور اسے یاد دلاتا ہے کہ

میں وہی خوشی ہوں جسے تو نے فلاں مسلمان کے دل میں ڈالا تھا آج میں تیری خوشی کے لیے تیری وحشت دور کروں گا، تجھے حجت سکھاؤں گا، میں تجھے نکیرین کے جواب میں ثابت قدم رکھوں گا، میں رب کے حضور تیری شفاعت کروں گا، میں تجھے جنت میں تیرا مقام دکھاؤں گا۔

مسلمان کو خوش کرنے کا فائدہ:

مذکورہ حدیث پاک سے کئی باتیں واضح ہوگئیں ایک تو یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ایک خوشی دینے سے ایک فرشتے کی تخلیق عمل میں آتی ہے تو پھر اندازہ لگایئے کہ روزانہ کتنے مسلمان نہ جانے کتنے مسلمانوں کو خوشیاں دیتے ہیں، دیتے تھے اور دیتے رہیں گے اور ہر خوشی سے ایک فرشتہ بنتا ہے تو پھر ان کی تخلیقات کا شمار حد بیان سے باہر ہے۔ دوسری بڑی سبق آموز اور عبرت ناک بات یہ سمجھ میں آئی کہ جب ایک مسلمان کو ایک خوشی فراہم کرنے کے اس قدر فائدے مرتب ہوتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ پیہم حسن سلوک ،خوش اخلاقی کے مظاہرے ،اوقات مشکلات و مصائب میں امداد وغیرہ کرنے کی وجہ سے کس قدر رب کائنات کی رحمتوں کی بوچھار ہوگی اس کا تصور کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری شریف کے اندر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث میں قسمیہ ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یومن عبد حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ نہ پسند کرے جس کو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت:

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ليس المومن والذى يشبع و جاره جائع الىٰ جنبه۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

وہ مومن نہیں جو پیٹ بھر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔

لگے ہاتھ ایک اور درس خیز حدیث ملاحظہ کرتے چلیں۔ مسلم شریف کے اندر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں رسول کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يدخل الجنة من له يامن جاره بوائقه ۔وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کی آفت سے محفوظ نہ ہو۔

مذکورہ بالا احادیث قیامت تک کے مسلمانوں کو بھائی چارگی اور رواداری کا درس لازوال دیتی رہیں گی اور باہمی امداد وتعاون کا جذبہ بھی اجاگر کرتی رہیں گی۔

فضائل درود شریف احادیث کی روشنی میں

درود پاک سے رب کائنات کیسے فرشتوں کی تخلیق فرماتا ہے اسے پیش کرنے سے پہلے فضائل درود پاک پہ چند احادیث نذر قارئین ہیں۔

کسی مسلمان سے درود پاک کی اہمیت وافادیت مخفی نہیں۔ درود پاک کے فضائل کے تعلق سے احادیث بھری پڑی ہیں اور ہمارے بزرگوں کی فضائل درود پہ متعدد گراں قدر تصانیف ہمارے لیے آج بھی مینارۂ نور ہیں۔ واضح رہے کہ رسول کائنات ﷺ ہمارے درود بھیجنے کے قطعی محتاج نہیں۔ آپ پر درود کی عظمت شان کا یہ عالم ہے کہ خود خداوند قدوس اور اس کے نوری فرشتے آپ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔

البتہ ہم اگر آقائے کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود پاک بھیجیں گے تو اس کے تمام تر فائدے ہم کو ہی حاصل ہوں گے۔

درود پاک کے فوائد سے مربوط چند اہم احادیث ذیل میں رقم کی جاتی ہیں۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث یوں مذکور ہے:

قال رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ و سلم من صلی صلاۃ واحدۃ صلیٰ اللہ علیہ عشر صلواۃ وحطت عنہ عشر خطیئات ورفعت لہ عشر درجات۔

ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا خداوند قدوس اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہوں کو معاف فرمائے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔

ذرا سوچیے! تو سہی کہ ایک بار درود پاک بھیجنے کے منجانب اللہ یہ انعامات ہیں تو پھر وہ مسلمان کس قدر خوش بخت ہے جس کی زبان شب و روز، صبح و مساور درود پاک سے تر رہتی ہے اور اس پر خلاق کائنات کی کس قدر رحمتیں برستی ہیں اور کس قدر گناہوں کی معافی ہوتی ہے اور کتنے درجے بلند ہوتے ہیں بلاشبہ اس کا اندازہ لگانا ایک مشکل امر ہے۔

اسی طرح ترمذی شریف کی حدیث ہے "**قال رسول ﷺ اولیٰ الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلوٰۃ**" یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جس نے زیادہ مجھ پر درود بھیجا ہے۔

اسی ترمذی شریف کی حدیث ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم "رغم انف رجل ذکرت عند ہ فلم یصل علی۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے درود نہ پڑھنے والے کو بخیل قرار دیا ہے چنانچہ مولائے کائنات کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اصل میں بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

علاوہ ازیں درود پاک دعاؤں کی مقبولیت کا ذریعہ ہے اور وہ دعا زمین و آسمان کے مابین معلق رہتی ہے جب تک سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں درود نہ بھیجا جائے۔

مشکاۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق بڑی پیاری حدیث موجود ہے۔ ''آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سرکار ابد قرار ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: یا رسول اللہ فداک ابی وامی میں شب و روز میں آپ کی بارگاہ پر انوار میں کس قدر درود پاک پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو پڑھا کرو۔ پھر عرض گزار ہوئے پورے دن کا چوتھائی حصہ پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جس قدر تم چاہو مگر کچھ اور اضافہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا پھر میں نے عرض کیا پورے دن کا آدھا حصہ؟ فرمایا چاہو تو کچھ اور زیادہ کرلو تمہارے لئے بہتر ثابت ہوگا پھر میں نے عرض کیا دو تہائی حصہ فرمایا چاہو تو کچھ اور بڑھا دو تمہارے لئے بہتر رہے گا پھر میں نے عرض کیا آقا! اگر میں بجائے دیگر دعاؤں اور وظیفوں کے کل وقت درود پاک پڑھتا رہوں تو میرے حق میں کیسا رہے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا **اذا یکفی همك و یکفر لك ذنبك** یعنی تب تو تمہارا یہ درود پڑھنا تمہارے تمام قسم کے رنج و غم کو کافی ہے اور تمہارے گناہوں کے مٹانے کے لیے بھی۔

بات چل رہی تھی فرشتوں کی تخلیق کی اس سلسلے میں امام رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث یوں تحریر فرماتے ہیں:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من صلیٰ علی تعظیما لحقی خلق اللہ عزوجل من ذالک القول ملکا لہ جناح بالمشرق وآخر بالمغرب یقول عزوجل عن وجہ لہ صل علیٰ عبدی کما صلی علیٰ نبی فھو یصلی علیہ الیٰ یوم القیامۃ "

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لیے درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک بازو مشرق اور دوسرا مغرب میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ درود بھیج میرے بندے پر جیسا اس نے درود بھیجا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ فرشتہ قیامت تک اس پر درود بھیجتا رہے گا۔

اس حدیث کے ضمن میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ شریف کی چوتھی جلد میں اپنے والدگرامی حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب ''الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح'' سے امام سخاوی رضی اللہ عنہ سے منقول باتیں یوں تحریر فرمائی ہیں:

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک فرشتہ ہے کہ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں. جب کوئی شخص محبت کے ساتھ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھا کر اپنے پر جھاڑتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ان پر قطرہ سے کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لیے استغفار کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مواہب شریف میں ہے مروی ہوا کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں کہ تسبیح الٰہی کرتے ہیں اللہ ان کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔

سید شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فتوحات کے باب ۹۲ میں فرماتے ہیں: نیک کلام، اچھا کام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک آیت کریمہ **یصعد الکلام الطیب و العمل الصالح یرفعه** ؛ کے یہ معنی ہیں۔

امام قرطبی تذکرہ میں علمائے کرام سے ناقل کہ جو شخص سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ثواب سے فرشتے بناتا ہے کہ روز قیامت تک اس قاری کی طرف سے استغفار کریں گے۔

امام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ ''الشریعۃ الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں۔''آدمیوں کی سانس سے فرشتے بنتے ہیں اور ان میں قوی تر اور حیا میں زائد وہ ہوتے ہیں جو عورتوں کی سانس سے بنائے جاتے ہیں۔

انفاس ناس سے فرشتے بننے کی تصریح فتوحات شریف میں بھی ہے یہ احادیث و اقوال جن میں آفرینش ملائکہ کے متعدد طریقے مذکور ہوئے ان سے ثابت ہے کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے ہر روز بے شمار بنتے ہیں جنکی گنتی ان کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

جب یہ شمار کرنا ہی مشکل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کتنے درود پاک پڑھے جا چکے اور کس قدر پڑھے جائیں گے تو پھر فرشتوں کی تخلیقی تعداد کا شمار کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے۔

اب ہم خاتم النبین حضور اکرم ﷺ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ادوار میں فرشتوں نے کیسے کیسے نمایاں کام کیے ان کا تذکرہ اختصار کے ساتھ قرآن مقدس کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ اگر قرآن مقدس کی بغور تلاوت کی جائے تو میرے دعوی کے استشہاد میں بیشتر آیات مل جائیں گی۔

تابوت سکینہ کیا ہے؟

اس موضوع کے تناظر میں تابوت سکینہ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔اس سے پہلے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ تابوت سکینہ کو حضرت شمویل علیہ السلام کی بارگاہ میں لانے والے چار انتہائی عظیم الشان فرشتے ہیں آیئے تابوت سکینہ سے متعلق چند اہم اور معلومات افزا باتیں ملاحظہ فرمائیں:

حقیقت تو یہ ہے کہ تابوت سکینہ والے واقعے سے ہمیں ایسے مفید سے مفید تر اسباق ملتے ہیں جو حد تحریر سے باہر ہیں۔تابوت سکینہ ایک ایسے مقدس ''صندوق'' کا نام ہے جس کے بارے میں رب قدیر نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا "فیہ سکینۃ من ربکم" یعنی اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے بلفظ دیگر اس میں مومنوں کے قلوب وارواح کے لئے اطمینان وسکون کی نعمتیں موجود ہیں۔

تفسیر روح البیان جلد ثانی میں مذکورہ صندوق سے متعلق تفصیلی باتیں مندرج ہیں۔

دراصل تابوت سکینہ وہ مقدس صندوق ہے جو حضرت آدم علیہ السلام پر من جانب اللہ نازل ہوا تھا تا دم حیات ظاہری یہ آپ کی ہی تحویل میں رہا پھر نسلا بعد نسل قرنا بعد قرن آپ کی اولاد تک ہوتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا پھر یہ بنی اسرائیل کو نعمت غیر مترقبہ کے طور پر ملا۔صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام اس تابوت سکینہ میں توریت شریف کے ساتھ ساتھ دیگر ضروری اشیا بھی بحفاظت رکھا کرتے تھے۔تفسیر جلالین میں مذکور ہے کہ تابوت سکینہ کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصائے مبارک ان کی متبرک جوتیاں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف،حضرت سلیمان کی انگشتری،توریت شریف کی تختیوں کے چند ٹکڑے، کچھ من وسلوی اور حضرات انبیاے کرام علیھم السلام کی نورانی صورتوں کے حلیے تھے۔

صحابہ کرام کا جوش ایمانی:

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ بنی اسرائیل جب کفار کے لشکروں کی تعداد اور ان کی شوکت وسطوت دیکھتے تو ان کی ہمت جواب دے دیتی اور بزدلی کے شکار ہو جاتے اس کا اظہار جنگ بدر کے موقع پر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے ہی پر جوش لہجے میں کیا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف، کی جلد ثانی غزوۂ بدر کے باب میں مندرج ہے کہ:

جب حضور پرنور ﷺ کو یہ ہوش ربا خبر ملی کہ کفار قریش ایک کثیر فوجی دستہ لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی تیاری میں مصروف کار ہیں تو آپ نے صحابۂ کرام کو اس صورت حال سے باخبر کیا اور اس خدشے کا اظہار فرمایا کہ ہوسکتا ہے ہمارے اس سفر میں کفار قریش سے مڈبھیڑ کی نوبت آجائے تو اس وقت حضرت عمر اور دیگر مہاجر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انتہائی جوش ایمانی کا مظاہرہ فرمایا اور خدا اور رسول کی رضا کے لئے من دھن تن قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے لیکن سرکار ابد قرار ﷺ انصار صحابہ کے جواب کے منتظر تھے کیوں کہ مدینے کے انصار صحابہ نے بوقت بیعت اس بات کا عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ اس وقت کفار سے نبرآزما ہوں گے جب وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کی جسارت کریں گے اور یہاں معاملہ جنگ بیرون مدینہ سے متعلق تھا تو ایسے وقت میں جہاں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے ہی پر جوش لہجے میں عرض کیا تھا یا رسول اللہ ! اگر آپ ہم انصار سے ہمارا ارادہ جاننا چاہتے ہیں تو آپ مطمئن رہیں جب بھی آپ کا حکم ہوگا یہ کفار مکہ کیا ہیں بلا جھجک ہم سمندر میں بھی کود پڑیں گے وہیں ان کے بعد حضرت مقداد بن اسود نے ولولہ خیز انداز میں فرمایا: یا رسول اللہ فداک ابی وامی ہم حضرت موسی علیہ السلام کی قوم نہیں ہیں کہ وقت جہاد یوں کہیں کہ

اے اللہ کے نبی آپ اور آپ کا خدا جا کر کافروں سے جنگ کریں ہم تو تماشائی بنے بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم آپ کے ایسے جاں نثار اور وفادار غلام ہیں کہ وقت جہاد ہم قطعی طور پر پیچھے نہیں ہٹیں گے آپ کے ابروئے پاک کے ایک اشارے پر ہم آپ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے، پیچھے سے جان پر کھیل جائیں گے اور آپ کی محبت میں سب کچھ نثار کر دیں گے۔

تابوت سکینہ کی ہیبت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد پاک میں بھی عموماً جہاد کے موقع پر بنی اسرائیل کفار کے لشکر کو دیکھ کر سہم سہم سے جاتے اور انتہائی پست ہمت ہو جاتے۔ رب کائنات نے تابوت سکینہ کے اندر ایسی خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں کہ صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ بوقت جہاد بنی اسرائیل اس مقدس صندوق کو اپنے سامنے رکھ لیتے تھے تو اس کی ایسی برکتیں ظہور پذیر ہوتیں کہ ان کی پست ہمتی کا یک لخت خاتمہ ہو جاتا ان کی بزدلی دم توڑ دیتی اور ان کے دلوں میں بجائے ہیبت کے طمانیت و تسکین کی فضائیں قائم ہو جاتیں مزید برآں ان کے حوصلے اس قدر جوان ہو جاتے کہ وہ کفار کی کثرت و طاقت کی پرواہ کئے بغیر میدان کارزار میں چٹان کی طرح ڈٹ جاتے نتیجتاً فتح یابی و کامرانی ان کے قدموں کا بوسہ لیتیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ تفسیر روح البیان میں یہاں تک درج ہے کہ جوں جوں تابوت سکینہ آگے بڑھتا ہاتف غیبی پکار کر یہ مژدۂ جانفزا دیتا ''**نصر من اللہ و فتح قریب**'' یعنی اللہ کی جانب سے فتح و نصرت قریب ہیں پھر انجام کار بنی اسرائیل کی فوجیں فاتح بن جاتیں۔ اسی پر بس زائد ہے نہیں بلکہ جب کبھی بنی اسرائیل پر کوئی مصیبت ناگہانی حملہ آور ہوتی تو یہ تابوت سکینہ کو اپنے آگے رکھ کر اس کے وسیلے سے رب کائنات کی بارگاہ میں

گڑگڑا کر دعائیں کرتے تو ان پر آنے والی ساری مصیبتیں کافور ہو جاتیں۔ گویا تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے لیے خداوند قدوس کی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں تھا۔ لیکن جب بنی اسرائیل کے اوپر شر و فساد اور سرکشی و معاصی کے عناصر غالب ہونے لگے اور یہ قوم بد اعمالیوں کی دلدل میں پھنستی چلی گئی تو پھر یہ نعمت عظمیٰ ان سے چھن گئی۔ انجام کار قوم عمالقہ نے بنی اسرائیل کے شہر پر دھاوا بول دیا اور آن کی آن میں پورا شہر تہس نہس ہو گیا اور بنی اسرائیل چن چن کر قتل کیے جانے لگے اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم عمالقہ نے تابوت سکینہ جیسے مقدس صندوق پر اپنا قبضہ جمالیا اور اس کی حرمت و تقدس نہ صرف یہ کہ پامال کیا بلکہ اسے نجاستوں کے ڈھیر میں ڈال دیا۔ تابوت سکینہ کی بے حرمتی و بے ادبی ان کے لیے اتنی مہنگی پڑی کہ وبال جان بن گئی یہاں تک کہ وہ رب کائنات کے شدید عذاب کے ایسے شکار ہوئے کہ ان پر مصیبتوں اور آفتوں کے دل بادل ٹوٹ پڑے قسم قسم کی مہلک بیماریوں نے انھیں آگھیرا اور تباہی و بربادی کی تاریکیوں میں وہ محصور ہو کر رہ گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ قوم عمالقہ کے ایک دو نہیں بلکہ پانچ شہروں کی آبادیاں ویرانیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ قہر قہار اور غضب جبار سے انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یقیناً یہ سب نتیجہ ہے تابوت سکینہ کی بے حرمتی کا قوم عمالقہ کو بے حد پچھتاوا ہوا اور بالآخر انہوں نے اسے ایک بیل گاڑی پر لاد کر بیلوں کو بنی اسرائیل کی بستی کی طرف ہانک دیا۔ ایسے وقت میں رب کائنات نے اپنے چار مقرب فرشتوں کو حکم صادر فرمایا کہ جاؤ اور تابوت سکینہ کو صحیح سلامت میرے پیغمبر شمویل علیہ السلام تک پہنچاؤ۔ چنانچہ فرشتوں نے حکم خداوندی کی تعمیل میں تابوت سکینہ کو اپنے پر نور کندھوں پر اٹھا کر اللہ کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام کی بارگاہ میں بحفاظت پہنچانے کا کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ واضح رہے کہ ان دنوں بنی اسرائیل میں دنیاوی امور کے نظام انصرام کے لیے ایک بادشاہ ہوتا تھا اور دینی و شرعی نظام کے نفاذ اور رشد و ہدایت کے لئے ایک نبی۔

تابوت سکینہ حضرت شمویل کی بارگاہ میں:

تابوت سکینہ ٹھیک اس وقت حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا جس وقت بنی اسرائیل کے مابین حضرت طالوت کی بادشاہی سے متعلق سخت تنازع چل رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت طالوت غریب تھے اور ان کا تعلق شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ بنی اسرائیل نے حضرت شمویل علیہ السلام کی بارگاہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ ہم جناب طالوت کو اس وقت بادشاہ تسلیم کریں گے جب ہمارا کھویا ہوا تابوت سکینہ ہم تک واپس آجائے گا۔ تابوت سکینہ کے آتے ہی بنی اسرائیل نے بسر وچشم حضرت طالوت کو اپنا شہنشاہ تسلیم کرلیا۔ قرآن مقدس کے سورۂ بقرہ میں رب کائنات نے اس تابوت سکینہ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے :

و قال لهم نبيهم ان آية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم و بقية مماترك آل موسىٰ و آل هارون تحمله الملائكة انّ فى ذالك لآية لكم ان كنتم مومنين۔

یعنی اوران کے نبی شمویل نے فرمایا کہ اس میں طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے دلوں کا چین اور حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کے کچھ تبرکات ہیں۔ فرشتے اس صندوق کو اٹھا کر لائیں گے یقیناً تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

جہاں مذکورہ واقعہ سے فرشتوں کی کارکردگیاں مترشح ہوئیں وہیں ایک عظیم درس یہ ملا کہ جب بندگان خدا دنیاوی عیش وتنعم میں کھو کر رب قدیر کے احکام کو فراموش کردیتے ہیں اور اپنے ایمان وعمل کی سودابازی کو اپنا شیوہ بنالیتے ہیں اور اللہ اور رسول کی نافرمانیوں کو سبب عار بھی نہیں سمجھتے تو پھر ان سے رحمت خداوندی روٹھ جاتی ہے اوران

سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل سالہا سال خداوند قدوس کی عظیم نعمت تابوت سکینہ کے عدم فیضان سے کف افسوس ملتے رہ گئے۔

لہٰذا بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ہم مسلمانوں کے لیے بھی تازیانہ عبرت سے کم نہیں۔ اس سے پہلے کہ ہمارے حالات مزید ابتری کے تیرہ وتاریک حصار میں آجائیں ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم ایمان کے استحکام کے ساتھ ساتھ عمل صالح کے بھی خوگر بنیں۔

اس واقعہ سے ایک اور اہم بات یہ بھی منکشف ہوتی ہے کہ جو چیزیں بزرگوں سے منسوب ہو جاتی ہیں ان کی اہمیت وعظمت یہاں تک دوبالا ہو جاتی ہیں کہ رب کائنات انھیں اپنے بندوں کے لیے سرچشمۂ رحمت و برکت بنا دیتا ہے۔ جب یہ صورت حال ہے تو پھر خود بزرگان دین کی ذوات مقدسہ کس قدر منبع فیضان اور مرجع احسان ہوں گی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم تادم حیات بزرگان دین کے دامان کرم سے وابستہ رہیں اور اگر یہ وابستگی مبنی بر اخلاص رہی تو بعید نہیں کہ ہماری حیات رشک ملائکہ بن جائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا عبرت آمیز واقعہ:

رب کائنات نے اپنے مقدس کلام کے تیئسویں پارہ کے دوسرے رکوع میں اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد زریں کے ایسے واقعے کی جانب اشارا فرمایا ہے جو آپ کی ذات سے متعلق تھا اور ایسے موقع پر بھی دو فرشتوں نے مدعی اور مدعا علیہ کی صورت میں بارگاہ داؤدی میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

فغفرنا لہٗ ذالك و ان لہٗ عندنا لزلفیٰ وحسن مأب یا داؤد انا جعلنك خلیفۃ فی الارض فاحكم بین الناس بالحق و لا تتبع الھویٰ فیضلك عن سبیل اللہ۔

یعنی تو ہم نے (حضرت داؤد) کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اے داؤد بے شک ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے تو لوگوں میں ٹھیک فیصلہ کیجیے اور خواہش کی پیروی نہ کیجیے ورنہ وہ آپ کو راہ سے بہکا دے گی۔

بالاختصار واقعہ یوں ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے درآں حالیکہ آپ کے پاس ننانوے ازواج مطہرات تھیں ایک ایسی خاتون کو پیغام نکاح دیا جس کو آپ سے پہلے کوئی اور بندۂ خدا نکاح کا پیغام دے چکا تھا۔ اللہ کے نبی کا پیغام پانے کے بعد اس خاتون سمیت اس کے اولیا بے حد خوش ہو گئے اور اپنی فیروز بختی پر ناز کرنے لگے۔ ظاہر ہے اللہ کے نبی کا بھیجا ہوا پیغام کیسے ٹھکرایا جا سکتا تھا۔ بالآخر اس خاتون سے آپ کا نکاح عمل میں آ گیا۔ بلاشبہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فعل نہ شریعت سے قطعی متصادم تھا اور نہ دنیاوی لحاظ سے نازیبا مگر پھر بھی خداوند قدوس نے دو فرشتوں کو مدعی اور مدعا علیہ بنا کہ اپنے محبوب نبی کی توجہ مبذول فرمائی کیوں کہ بارگاہ خداوندی میں انبیا کرام علیہم السلام کی شان و عظمت انتہائی بلند ہوتی ہے پھر یہ کہ وہ رب کے محبوب ہیں وہ جب چاہے جس طرح چاہے انہیں متنبہ کرے۔ اگر بالغائر دیکھا جائے تو یہ ناز و نیاز کے ایسے جلوے ہوا کرتے ہیں جو محبّ سے محبوب کی اقربیت کی وضاحت کرتے ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے **حسنات الابرار سیات المقربین** یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کی خطاؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔

چنانچہ حکم خداوندی کے پیش نظر دو فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی بارگاہ میں اپنا مقدمہ پیش کیا ایک نے بطور مدعی یوں کہا کہ حضور والا! میرے پاس ایک دنبی ہے اور میرا یہ بھائی ننانوے دنبیوں کا مالک ہے مگر اس کے باوجود وہ اس بات پر مصر ہے

کہ میں اپنی دنبی بھی اس کی تحویل میں دے دوں لہٰذا میں آپ کے گراں قدر فیصلے کا خواستگار رہوں۔

اللہ کے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام نے بلا تاخیر فیصلہ کن انداز میں ارشاد فرمایا کہ ننانوے دنبیوں والے کا یہ فعل بلاشبہ ایک دنبی والے کے حق میں زیادتی کے مترادف ہے۔ اسے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ایسی چیز سے اجتناب کرنا چاہیے جوں ہی آپ نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا فوراً آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ مقدمہ پیش کرنے والے فرشتے میرے پاس من جانب اللہ آئے تھے تاکہ میرا امتحان لیا جاسکے۔ یہ مقدمہ میری ذات سے متعلق ہے کیوں کہ میں ننانوے بیویوں کے باوجود اس عورت کے پاس پیغام نکاح بھیجا جس کے پاس مجھ سے پیشتر کوئی اور پیغام بھیج چکا تھا۔ پیغمبر خدا کا مقدس دل خشیت الٰہی سے دہلنے لگا اور آپ فورا رب کائنات کی بارگاہ بے نیاز میں رجوع کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئے۔ اور رؤف ورحیم خدا نے اپنے محبوب کو معافی کا پروانہ اور رضاو خوشنودی کا تمغہ یوں کہہ کر عطا فرمایا" **فغفرنا لہٗ**"

فرض نمازوں کی تاریخی حیثیت:

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ کی توبہ بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی وہ وقت وقت شام تھا۔ آپ نے سب سے پہلے رب کائنات کا شکر ادا کرتے ہوئے چار رکعت کی نیت سے نماز کا آغاز کیا مگر تیسری رکعت میں سلام پھیر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ محض آج تک نہیں بلکہ صبح قیامت تک مغرب کی نماز فرض تین رکعتوں پر مشتمل مقرر کی گئی۔ (شامی کتاب الصلوٰۃ)

اور یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سب سے پہلے نماز مغرب ادا فرمائی جیسے نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت پڑھی جب آپ نے آسمان

میں صبح کا سپیدہ دیکھا کیوں کہ جنت میں رات کا وجود تھا نہ کسی قسم کی تاریکی کا گمان پھر یہ کہ آپ جنت سے پہلی بار زمین پر تشریف لائے تھے اور یہاں پہلی بار رات دیکھی تو تاریکی سے وحشت سی ہونے لگی گویا حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے نماز فجر ادا کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حکم خدائے لم یزل کے پیش نظر اپنے اکلوتے شہزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام (جو بڑی دعاؤں کے بعد اس وقت پیدا ہوئے جب آپ کی عمر شریف نوے سال کی تھی) کو منیٰ کے میدان میں قربان کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور رب کائنات کی رضا جوئی کی خاطر بلا چون وچرا خوشی خوشی اپنے لخت جگر پر چھری چلا دی تو آنکھوں سے پٹی نکالی تو کیا دیکھا کہ نور نظر ایک طرف کھڑے مسکرا رہے ہیں اوران کی جگہ ایک دنبہ قربان شدہ پڑا ہے۔ خداوند قدوس کے اس بے پایاں کرم پر کہ اس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جان کی حفاظت فرمائی اوران کی جگہ دنبہ کو قربان ہونے کے لئے بھیج دیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں چار رکعت نماز پڑھی۔ پتہ چلا کہ سب سے پہلے ظہر کی نماز ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادا فرمائی۔ بنی اسرائیل کے نبی حضرت عزیر علیہ السلام کے دور میں جب بنی اسرائیل کی نافرمانیاں اور بدکاریاں حد سے متجاوز ہوئیں تو رب کائنات کا ان پر ایسا شدید عذاب آیا کہ بخت نصر جیسا انتہائی جابر وسفاک بادشاہ بیت المقدس پر ایک کثیر فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ نہ صرف یہ کہ پورے شہر کو ویران وتاراج کر دیا بلکہ ایک لاکھ لوگوں کا بے دریغ قتل کیا ایک لاکھ لوگوں کو قید وبند کی سلاخوں میں دھکیل دیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:

اللہ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام بھی انہیں قیدیوں میں تھے۔ تفسیر جمل علی الجلالین کی روایت کے مطابق کچھ ایام کے بعد آپ پر رب کائنات کا ایسا فیضان کرم

ہوا کہ آپ کو بخت نصر کی قید سے رستگاری ملی اور پھر آپ ایک گدھے پر سوار ہو کر سیدھے شہر بیت المقدس پہنچے تو وہاں کی دل دوز حالت دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور پورے شہر میں ویرانیاں ہی ویرانیاں چھائی ہوئی تھیں۔ چاروں طرف ایک عجیب سراسیمگی کی فضا کا تسلط تھا اس وقت آپ کی زبان اقدس سے یہ جملہ صادر ہوا:

انیٰ یحی ھذہ اللہ بعد موتھا (سورہ بقرہ)

یعنی اس نا قابل دید تباہی و بربادی کے بعد رب کائنات اس شہر کو کیسے حیات نو بخشے گا۔

خلاق کائنات نے اپنے محبوب نبی کی وجہ بصیرت کے لیے انہیں سو سال تک موت کی نیند سلا دی اور آپ کو مخلوقات کی نگاہوں سے مستتر کر دیا۔ یاد رہے کہ جس وقت بحالت نیند آپ پر موت طاری ہوئی اس وقت وہ گدھا بھی ہمراہ تھا جس پر سوار ہو کر آپ شہر بیت المقدس تشریف لائے تھے نیز ایک مشک میں انگوروں کا شیرہ۔

اوقات گزرتے گئے گردش ایام کروٹیں بدلتی رہی پھر ستر سال کے بعد رب کائنات نے فارس کے ایک بادشاہ کے ذریعہ شہر بیت المقدس کو ایسی نشاۃ ثانیہ بخشی کہ پورا شہر انسانوں سے آباد اور فطری مناظر سے مزین ہو گیا۔ چاروں طرف شادابی و ہریالی نظر آنے لگی۔ قادر مطلق نے سو سال کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ جب آپ نے حیات نو کے بعد اپنی آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ آپ کا گدھا مر چکا ہے اور اس کے اعضاء منتشر ہیں لیکن انگور کا شیرہ بدستور تازہ ہی تازہ ہے اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا ہے۔ مزید برآں آپ کی عمر شریف میں بھی سو سال کے بعد کوئی تبدیلی نہیں آئی یعنی سو سال پہلے آپ چالیس سال کے تھے اور پھر سو سال کے بعد بھی وہی چالیس سال کے جوان تھے۔ رب کائنات نے بڑی تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کے پینتیسویں رکوع کے اندر مذکورہ واقعہ یوں بیان فرمایا ہے:

او کالذی مر علی قریة و هی خاویة علی عروشها قال انی یحی هذه الله بعد موتها فاماته الله مائة عام ثم بعثهٗ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائة عام فانظر الیٰ طعامك لم یتنسهٗ و انظر الیٰ حمارك و لنجعلك آیة للناس و انظر العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما فلما تبین لهٗ قال اعلم ان الله علیٰ کل شئی قدیر۔

یعنی یا اس (حضرت عزیر) کی طرح جو ایک بستی (بیت المقدس) پر گزرے اور وہ اپنی چھتوں کے بل ڈھئی پڑی تھی تو انہوں نے کہا اس (بستی) کو اس کی موت کے بعد اللہ کیوں کر جلائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سو برس تک مردہ رکھا پھر ان کو زندہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کتنے دن یہاں ٹھہرے تو انہوں نے کہا کہ دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں آپ تو ایک سو برس یہاں ٹھہرے رہے اور آپ اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھ لیجئے کہ وہ سڑی نہیں ہے اور اپنے گدھے کو دیکھئے (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور اس لئے ہوا کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے اللہ کی ایک نشانی بنا دیں اور ان ہڈیوں کو دیکھو کہ کیوں کر ہم انہیں اٹھان دیتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ معاملہ ان پر ظاہر ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

جب حضرت عزیر علیہ السلام زندہ فرمائے گئے تو اس وقت وقت عصر تھا اور آپ نے سب سے پہلے نماز عصر ادا کی۔ رہی نماز عشا تو طحطاوی شریف میں مندرج ہے کہ نماز عشا سب سے پہلے حضور پر نور ﷺ نے ادا فرمائی۔ اسی کے ضمن میں علامہ طحطاوی نے تحریر فرمایا کہ نماز عشا مع پنج وقت نماز امت مصطفیٰ ﷺ کی اور نماز تہجد سرور کائنات ﷺ کی خصوصیت ہے۔

ہاں گفتگو کا سلسلہ یہ چل رہا تھا کہ سابق انبیا کرام علیھم السلام کے ادوار پاک میں فرشتوں کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کیا جائے۔ اس تناظر میں ابوالانبیا حضرت ابراھیم علیہ السلام کا آتش نمرود میں ڈالا جانے والا واقعہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دعوت کا نظارہ:

یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد پاک میں بت پرستی کس قدر عام تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ نمرود اپنے آپ کو خدا کہلوا کر اپنی خوب پرستش کروا رہا تھا۔ اس زمانے میں نمرود سمیت قوم بھی اس بات کی خواہاں تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے شرک وکفر کی ناپاک روش کو اپنائیں۔ مشرکین یہ بھول رہے تھے کہ اللہ کا نبی شرک وکفر کا قلع قمع کرنے آتا ہے اور ایک معبود برحق کی بارگاہ میں اپنی قوم کو سجدہ ریز کروانے اور انہیں توحید پرستی کا جام پلانے آتا ہے۔ آپ نے برملا اظہار حق فرمایا شرک وکفر کے خلاف نعرے بلند فرمائے اور احقاق حق اور ابطال باطل میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ جیسا کہ سورۂ انبیا کے پانچویں رکوع میں رب قدیر نے اپنے خلیل علیہ السلام کی حق گوئی کی یوں منظر کشی فرمائی ہے:

قال افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئا و لا یضرکم اف لکم و لماتعبدون من دون اللہ افلا تعقلون۔

یعنی تو کیا تم اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا تم لوگ پوجتے ہو کیا تم لوگ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

بجائے اس کے کہ آپ کی قوم حق کے روبرو سر بہ خم ہو جاتی اور کفر وشرک و بت پرستی سے باز آجاتی مگر ظالموں نے اعلان عام کر دیا کہ جناب ابراہیم کو آگ میں جلا کر خاکستر

کر دیا جائے العیاذ باللہ!

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نار نمرود میں!

چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ منوں من لکڑیاں جمع کی گئیں اور اتنا بڑا آتش کدہ تیار کیا گیا کہ تفاسیر کی کتابوں کی روایت کے مطابق اس آتش کدے سے اس قدر شعلے بلند ہو رہے تھے کہ اس کے اوپر سے کوئی پرندہ بھی پرواز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اتنی دور تک شعلے پھیلے ہوئے تھے کہ ان ظالموں کو اللہ کے خلیل علیہ السلام کو ایک گوپھن کے ذریعے بھڑکتی دہکتی اور آسمانوں سے باتیں کرتی آگ کے شعلوں کے حوالے کرنا پڑا۔

صاوی شریف کی تیسری جلد کے صفحہ نمبر ۶۸ میں مرقوم ہے کہ ایسے موقع پر زمین و آسمان کی تمام مخلوقات مضطرب و بے قرار ہو گئیں اور رو رو کر بارگاہ ایزدی میں دہائی دینے لگیں اور ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں پانی کا فرشتہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ حضور! اجازت ہو تو میں چشم زدن میں ان آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں کو خاکستر کر دوں اسی طرح ہوا کا فرشتہ بھی عرض گزار ہوا کہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں آندھی چلا کر اس آگ کو اڑا دوں مگر قربان جایئے اللہ کے خلیل علیہ السلام کے توکل علی اللہ اور شان عبودیت پر کہ آپ نے برملا فرمایا کہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ۔ مدد وہ لے جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔ مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہی میرا بہترین کارساز ہے اور اس کی مدد کے سامنے کسی کی بھی مدد کی کوئی ضرورت نہیں صاوی شریف میں یہاں تک درج ہے کہ ایسے موقع پر فرشتوں کے رسول بلبل باغ سدرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آپ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ کے خلیل! کوئی حاجت ہو تو بتائیں میں آن کی آن میں رب کی عطا کردہ طاقت سے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے ان شعلوں کو راکھ میں متبدل کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا میرا حاجت روا پروردگار

میرے لیے کافی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ ٹھیک ہے اگر آپ کو میری کوئی حاجت نہیں تو رب کائنات سے اپنی حاجت عرض کریں اس پر جو جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا وہ بلاشبہ آپ کی شان توکل کی بے مثال، منفرد اور اعلیٰ ترین دلیل ہے، آپ نے فرمایا:

جناب جبرئیل! حاجت اس سے عرض کی جاتی ہے جو احوال سے ناواقف ہو۔ میرا خدا تو سمیع وبصیر وعلیم ہے۔ میرے حال کو وہ خوب جانتا ہے، اس کی بارگاہ میں چنداں اظہار کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت خلیل کی ناز برداری:

آپ کے اس بے مثال توکل کا ہی ثمرہ تھا کہ رب کائنات نے آگ کو حکم دیا "**یـــا نار کونی بردا و سلما**" یعنی اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامت والی بن جا۔ (ابراہیم پ)۔ انجام کار ظالموں کی آنکھیں یہ دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ اللہ کے خلیل پر پوری آگ گلزار بن گئی اور آپ پر آگ کا ذرہ برابر بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔ مذکورہ آیت میں لفظ بردا کے بعد سلاما کا لفظ رب کائنات کی اپنے خلیل سے اپنی محبت کی نشاندہی کر رہا ہے جن کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالا نہیں جاسکتا۔ یعنی خداوند قدوس نے آگ سے صرف بردا ٹھنڈی ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا سلاما یعنی اس قدر ٹھنڈی نہ ہو کہ میرے خلیل کی طبع نازک متاثر ہو جائے بلکہ سلامت والی ٹھنڈی ہوتا کہ میرے خلیل کو ذرہ برابر بھی تکلیف کا احساس نہ ہو کیوں کہ میرے خلیل نے خالصا میری رضا جوئی کی خاطر آتش نمرود میں کود کر حق خلت ادا کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف صرف بیس سال کی تھی اور رہی بات یہ کہ آپ کتنا عرصہ آتش کدہ کے اندر رہے

اس سلسلے میں جلالین شریف میں مفسرین کرام کی مختلف فیہ روایتیں موجود ہیں۔ سب سے کم کی روایت سات دن کی ہے اور زیادہ سے زیادہ پچاس دن کی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سرعت رفتار:

تفسیر روح البیان کی تیسری جلد میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سرعت پرواز سے متعلق مندرج ہے کہ آپ نے ایک بار سرورِ کائناتﷺ کے اس سوال پر کہ جبرئیل وہ کون سے مواقع ہیں بتاؤ جب تمہیں بڑی سرعت کے ساتھ آسمان سے زمین پر اترنا پڑا ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے چار مواقع گزرے ہیں۔ ایک تو اس وقت جب نمرود اور اس کے سفاک پیروکار اللہ کے خلیل علیہ السلام کو بھڑکتی ہوئی آگ کی نذر کر رہے تھے تو ایسے وقت میں حکم خداوندی ہوا کہ جبرئیل اس سے پہلے کہ میرے خلیل کو آگ میں ڈالا جائے تم فوراً بارگاہ خلیل میں پہنچو۔

دوسری مرتبہ اس وقت جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مقدس گردن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام رب کائنات کے حکم پر چھری پھیر رہے تھے تو میں فوراً وہاں پہنچا اور چھری کو گردن ذبیح اللہ کو کاٹنے نہ دیا۔

تیسری بار جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کی بنیاد پر آپ کو کنویں میں ڈال دیا تو رب قدیر نے فرمایا جبرئیل فوراً اس کنویں میں جا کر میرے یوسف کو ایک پتھر پر بٹھا دو تاکہ وہ کنویں کی تہ تک نہ پہنچ سکیں۔

اور چوتھا موقع وہ تھا یا رسول اللہ! جب میدان احد میں آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا گیا۔ حکم رب جلیل ہوا کہ جبرئیل! بلاتاخیر میدان احد پہونچ کر میرے حبیب کے دندان مبارک سے نکلنے والے خون کو اپنے ہاتھوں میں لے لو ورنہ اگر یہ خون زمین پر گر گیا تو پھر تاقیامت زمین شادابی و ہریالی سے یکسر محروم ہو جائے گی اور یہ ہمیشہ کے

لئے بنجر بن جائے گی۔

حضرت لوط علیہ السلام اور فرشتوں کی آمد:

اب آیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادرزادے حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں حضرت جبریل علیہ السلام مع ملائکہ کیسے آپ کی قوم بد فعل پر عذاب لے کر آئے ساعت فرمائیں۔

یاد رہے کہ سابق انبیاے کرام علیہم السلام کو رب کائنات ایک خطہ، ایک شہر، ایک قوم یا ایک ملک کی ہدایت کے لئے بھیجتا رہا لیکن یہ خصوصیت و انفرادیت صرف اور صرف ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے کہ آپ قیامت تک تمام کائنات و تمام مخلوقات کے لیے خاتم الانبیا بنا کر مبعوث کئے گئے جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''**انی ارسلت الی الخلق کافة**'' یعنی میں تمام خلقت کا رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا مرکز تبلیغ:

حضرت لوط علیہ السلام کو خلاق کائنات نے شہر ''سدوم'' میں بسنے والے لوگوں کے رشد و ہدایت کے لیے نبی بنا کر بھیجا۔ روح البیان کی تیسری جلد کی روایات کے مطابق اس دور میں شہر 'سدوم' کی بستیاں اور اس کے گرد و نواح انتہائی زرخیز اور شاداب تھیں ان کی شادابی و خوش نمائی کا یہ عالم تھا کہ رب قدیر کے فیضان کرم سے قسم قسم کے پھل اور اناج کی بھرمار رہا کرتی تھی۔ شہر کا ہر باشندہ معاشی اعتبار سے انتہائی خوش حالی کی زندگی گزار رہا تھا۔ علاقے کی خوش نمائی اور دل پذیری کی بنیاد پر دور دراز کے مختلف علاقوں سے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لیے آتے رہتے تھے۔ گویا سیاحوں کا روزانہ ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔ شہر 'سدوم' کے باشندوں کو آنے والے لوگوں کی مہمان نوازی کا اہتمام و

انتظام کرنا پڑتا تھا۔ ہر چند کہ مہمان نوازی اور مہمانوں کی خاطر داری خوش بختی اور رحمت وبرکت کا باعث ہوا کرتی ہے لیکن باشندگان 'سدوم' پر یہ بے حد شاق گزرا کرتا تھا۔ اور وہ بادل نخواستہ مہمانوں کی تواضع کرتے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے اور اس سوچ میں رہتے کہ کیسے مہمانوں کی آمد سے ہمیں رستگاری ملے۔ ان کی اسی مذموم سوچ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان لعین ان کے مابین ایک ضعیف و معمر شخص کی شکل میں آدھمکا اور ناصح وخیر خواہ بن کر لوگوں سے ان کے اضطراب کا سبب پوچھا۔ جوں ہی لوگوں نے شب وروز، صبح ومسا مہمانوں کی ریل پیل سے تنگ آنے کی باتیں کہیں تو شیطان لعین کہنے لگا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے سدباب کی میرے پاس ایک بہت ہی موثر ترکیب وتدبیر ہے۔ لوگوں کا اشتیاق بڑھنے لگا اور سب کے سب بیک زبان کہنے لگے جناب! بڑی کرم فرمائی یہ ہوگی کہ آپ بلاتاخیر ہمیں بتائیں تاکہ ہماری پریشانیوں کا خاتمہ ہوسکے۔ لوہا گرم دیکھتے ہی شیطان بول پڑا کہ اس کی ترکیب یہ ہے کہ جب بھی کوئی مہمان آئے تو تم اس کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کرو پھر دیکھنا وہ دوبارا کبھی بھی اس طرف رخ کرنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ العیاذ باللہ نہ صرف یہ کہ لعین نے زبانی ترکیب بتائی بلکہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ عملی طور پر خود بنفس نفیس ایک انتہائی حسین مرد کی شکل میں مہمان بن کر آیا اور وہاں کے باشندگان سے اس قدر بدفعلی کروائی کہ پھر وہ لوگ اس شرمناک اور انسانیت سوز لواطت جیسے فعل بد کے ایسے عادی بن گئے کہ پھر وہ اپنی عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی خواہشات شہوات کی تکمیل کرنے لگے۔

جہاں احادیث نبویہ میں زنا کی مذمت و وعید پائی جاتی ہے وہیں لواطت جیسے مذموم ترین عمل کے ارتکاب پر بھی سخت سرزنش کا بھی ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے ایسے مرتکبین فعل بد کو ملعون قرار دیا۔ اس سلسلے میں دو انتہائی عبرناک حدیثیں سماعت فرمائیں۔

لواطت کی مذمت احادیث کی روشنی میں:

عـن ابـن عباس و ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ملعون من عمل عمل قوم لوط رواه رزين و في رواية له عن ابن عباس ان عليا احرقهما و ابا بكر هدم عليهما حائطا ۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے رزین اور انھیں کی ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فعل بد کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو جلا دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گرادی۔

اسی طرح ترمذی شریف کے اندر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی حدیث یوں مرقوم ہے" **عـن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من وجد تموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل المفعول به** "

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو تم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔

قوم لوط کا تذکرہ قرآن کریم میں:

جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ بدترین و شرمناک فعل عام و تام ہونے لگا تو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس فعل ہلاکت خیز سے بچانے کے لئے بڑی تنبیہ اور تاکید کی، خداوند قدوس کا خوف دلایا مگر حیف صد حیف کہ قوم نے اللہ کے نبی کی ایک بھی بات نہیں مانی۔ اس سے پہلے کہ ہم ان بدفعلوں پر آئے ہوئے سخت عذاب الٰہی کا

ذکر کریں آیئے دیکھیں قرآن مجید نے حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کو سورۂ عراف کے دسویں رکوع میں کس طرح بیان فرمایا:

اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العلمين انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون "(سورۂ عراف)

یعنی کیا تم لوگ وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں میں کسی نے بھی نہ کی تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلاشبہ تم لوگ حد سے گزر گئے ہو۔

اس بد فعل قوم پر اس قدر شیطنیت غالب آ گئی تھی کہ بجائے اللہ کے نبی کے وعظ و نصیحت اور رشد و ہدایت پر ندامت کے ساتھ سر بہ خم ہونے کے کس قدر حیا سوز اور تہذیب کش جواب دیا اسی سورۂ اعراف کے دسویں رکوع میں ملاحظہ فرمائیں۔

ماكان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون۔ (سورۂ عراف)

اوران کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ان (حضرت لوط علیہ السلام) کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں۔

المختصر جب قوم لوط بے حیائی اور سرکشی کی حدوں سے متجاوز ہوگئی تو رب قہار و جبار نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مع چند ملائکہ زمین پر نازل فرمایا اور آپ نے بحکم خدا شہر سدوم کے پانچوں بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر سوئے فلک کچھ دور پرواز فرمائی۔ پھر اس طرح الٹ دیا کہ پلک جھپکتے ہی پوری آبادیاں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئیں اور پھر آسمان سے ایسی بھیانک سنگباری ہوئی کہ قوم لوط کا ایک فرد بھی زندہ رہ نہ سکا۔ رب کائنات نے اپنے مقدس کلام کے سورۂ اعراف میں قیامت تک کے انسانوں کی عبرت کے لئے ارشاد فرمایا:

فانجينه و اهله و امراته كانت من الغبرين و امطرنا عليهم مطرا فانظر كيف كان عافيته المجرمين یعنی تو ہم نے حضرت لوط اوران

کے گھر والوں کو نجات دی بجز ان کی ایک عورت کے کہ وہ رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک مینھ برسایا تو دیکھو کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔

واضح رہے کہ نزول عذاب الٰہی کے وقت حضرت لوط علیہ السلام نے مومنین اور اپنے اہل وعیال کو بڑی سخت تنبیہ فرمائی تھی کہ کوئی بھی پیچھے مڑ کر بستی کی طرف رخ کرنے کی جسارت نہ کرے ورنہ وہ بھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کے باوجود آپ کی ایک بیوی جس کا نام واعلہ تھا اس کے دل میں نفاق وضلالت کی نجاستیں بھری ہوئی تھیں جس کی بنیاد پر اسے قوم کے بدکاروں سے بڑا شغف تھا۔ وہ آپ کی تاکید وتنبیہ کی پرواہ کئے بغیر جوں ہی پیچھے مڑی اس پر ایک ایسا آسمانی پتھر گرا کہ وہ زمین پر گر کر ہلاکت کے دہانے میں پہونچ گئی۔

لواطت ایک بدترین گناہ:

تفسیر روح البیان کی تیسری جلد ص ۱۹۸ میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا کہ یہ بتا کہ وہ کون سا بدترین گناہ ہے جو خداوند قدوس کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ شیطان نے جواباً کہا وہ گناہ ہے مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے بدفعلی کا ارتکاب کرنا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری قوم کو ایسے حیا سوز گناہوں سے ہمیشہ محفوظ ومامون رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

دنیا کی سب سے قیمتی گائے:

قرآن مقدس میں سورۂ بقرہ کے ضمن میں دنیا کی سب سے بیش قیمت گائے کا جو درس خیز اور روح پرور واقعہ مذکور ہے اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نوری فرشتے کا بڑا ہی کلیدی رول کارفرما ہے۔ فرشتے کے ہی مفید مشورے کی بنیاد پر ایک معمولی گائے

دنیا کی سب سے بیش قیمت گائے ثابت ہوئی اور اس کی فروخت کے بعد اتنی رقم ملی کہ اللہ کے ایک صالح بندے کا یتیم بچہ تا حیات مالا مال وخوش حال ہوگیا اور اس کی معاشی زندگی سرخرو ہوگئی۔

ہوا یوں کہ بنی اسرائیل کے ایک نیکوکار و پرہیزگار بندے نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اکلوتے نابالغ بچے کے مستقبل کے لیے اپنی ایک بچھیا کو رب کائنات کی بارگاہ میں یہ عرض کر کے جنگل میں چھوڑ آیا کہ یا الٰہ العالمین میں اس بچھیا کو تیرے فضل و کرم کے سپرد کرتا ہوں میرے بچے کے جوان ہونے تک اس کی حفاظت فرما۔ صالح باپ کا بیٹا بھی بڑا تقویٰ شعار اور اپنی والدہ کا انتہائی اطاعت گزار وفرماں بردار تھا۔

صاوی شریف کے اندر مندرج ہے کہ صالح ابن صالح کو محنت شاقہ کے بعد جو کچھ آمدنی میسر آتی اس میں سے ایک حصہ راہ خدا میں بصد اخلاص صدقہ کر دیتا، اور ایک حصہ اپنے ذاتی مصرف میں لاتا اور ایک حصے کی رقم بخوشی اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ اسی طرح اس نے رات کو بھی تین حصوں میں منقسم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ سونے کے لیے، دوسرا حصہ رب قدیر کی عبادت کے لیے اور تیسرا حصہ اپنی مشفقہ ومحترمہ ماں کے لیے۔ وقت گزرتا گیا، شب وروز اپنے معمول کے مطابق بیتتے رہے ایک دن اس کی ماں نے جنگل میں اس کے لیے اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی بچھیا کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تو جنگل جا کر اب اس بچھیا کو لے آ یا جو اب جوان ہو چکی ہوگی۔ ساتھ ساتھ اس گائے کے خدوخال اور رنگ وصورت بھی اس کی ماں نے واضح کر دی کہ اس کا رنگ زرد ہوگا اور اس کی کھال چمکدار ہوگی۔ چنانچہ بیٹا جنگل گیا اور بطریق الہام رب کائنات کی بارگاہ بے نیاز میں گائے کی بازیابی کی دعائیں کیں۔ اس کی دعائیں فوراً کارگر ہوئیں اور وہ گائے بڑی تیزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ یہ دیکھ کر بیٹے کے چہرے پہ بشاشت ومسرت کی کلیاں بکھر گئیں۔

اس نے رب کائنات کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا اور خوشی خوشی گائے کو اپنے گھر لے آیا ۔ ماں بھی گائے کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی اور خدائے بے نیاز کا شکر ادا کرتے ہوئے بیٹے سے کہا اسے تم فروخت کرنے کے لیے بازار لے جاؤ اور اس کی قیمت تین دینار متعین کرنا ساتھ ساتھ میری یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا کہ جب گاہک مل جائے تو میرے مشورے کے بغیر اسے ہرگز نہ بیچنا۔ المختصر جوں ہی لڑکا بازار پہنچا تو فورا ایک فرشتہ گاہک کی صورت اس کے سامنے نمودار ہوا اور کہنے لگا کہ صاحب زادے! مجھے یہ گائے پسند آ گئی ہے اور میں اسے خریدنا چاہتا ہوں اور ساتھ ساتھ تین دینار سے بھی زیادہ قیمت دینے کو تیار ہوں مگر میری ایک شرط یہ ہے کہ تمھیں اپنی ماں سے مشورہ کئے بغیر مجھے بیچنا ہوگا۔ بھلا وہ بیٹا جو اپنی ماں کا اطاعت شعار اور خدمت گزار ہو کیسے اس پیش کش کو تسلیم کر سکتا تھا ۔ اس نے فورا جواب دیا جناب والا! آپ قیمت لاکھوں کروڑوں دینار بھی اگر دیں تو پھر بھی میں اپنی ماں کے مشورے کے بغیر ہرگز بیچ نہیں سکتا کیوں کہ یہ میری ماں کا حکم ہے اور اپنی ماں کا حکم میرے لئے فرض عین ہے۔ لہٰذا میں ان کے حکم سے سرمو انحراف کی بھی قطعی طور پر جسارت نہیں کر سکتا۔ جب بیٹے نے ساری سرگزشت اپنی ماں کو سنائی تو صالحہ ماں کو یہ سمجھتے قطعی دیر نہ لگی کہ وہ گاہک کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ لہٰذا ماں اپنے بیٹے سے کہنے لگی کہ بیٹا! آئندہ کل جب بازار جاؤ گے تو پھر اسی فرشتے سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ تم اس سے گائے کے فروخت کرنے سے متعلق مشورہ کرنا اور پوچھنا کہ اس گائے کے بیچنے کا مناسب وقت کب ہے۔ فرشتہ جو جواب دے اس پر تم عمل کرنا۔ دوسرے روز جب لڑکے کی فرشتے سے ملاقات ہوئی تو لڑکے نے اس سے پوچھا کہ حضور بتائیں گائے اس وقت بیچی جائے یا بعد میں فرشتے نے جواب دیا کہ گائے کی بیع میں عجلت سے کام نہ لو۔ یہ وقت تمہارے لئے قطعی سودمند نہیں ہے۔ انتظار کرو عنقریب ایک وقت آئے گا جب قوم موسیٰ علیہ السلام تمہاری اس

گائے کو اس کے چمڑے میں بھر کر سونا دے کر خریدے گی۔ بالآخر ہوا بھی ایسا ہی اور دنیا کی تاریخ بیع وشرا میں یہ گائے سب سے بیش قیمت ثابت ہوئی۔

گائے کا واقعہ:

گائے کے بیش قیمت ہونے کی وجہیں جاننا ہے تو سورۂ بقرہ کے آٹھویں رکوع کی مندرجہ ذیل آیات مع ترجمہ ملاحظہ کریں:

واذ قال موسیٰ لقومه ان الله يامركم ان تذبحوا بقرة قالوا اتتخذنا هزوا قال اعوذ بالله ان اكون من الجٰهلين۔قالوا ادع لنا ربك يبين لنا ماهي قال انه يقول انها بقرة ولا فارض و لا بكر عوان بين ذالك فافعلوا ماتومرون قالوا ادع لنا ربك يبين لنا مالونها قال انه يقول انها بقرة صفراء فاقع لونها تسر الناظرين ۔قالوا ادع لنا ربك يبين لنا ماهی ان البقرة تشابه علينا وانا ان شاء الله لمهتدون۔قال انه يقول بقرة ذلول تثير الارض ولا تسقی الحرث مسلمة لاشية فيها قالوا الئن جئت بالحق فذبحواها وماكادو يفعلون و اذ قلتم نفسا فادارئتم فيها والله مخرج ماكنتم تكتمون ۔ فقلنا اضربواه ببعضها كذالك يحی الله الموتیٰ و يريكم آيته لعلكم تعقلون ۔(البقرہ)

اور جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو تو وہ لوگ بولے کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمیں بتا دے کہ کیسی گائی ہونی چاہیے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وہ ایسی گائے ہو جو نا بوڑھی ہو نہ بچھیا، بلکہ ان دونوں عمروں کے درمیان ہو تو تم کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے وہ لوگ بولے کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ تو آپ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایک پیلی گائے ہو جس کی رنگت ڈہڈہاتی ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔ وہ بولے کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں صاف صاف بیان کر دے کہ وہ کیسی گائے ہو کیوں کہ گایوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا ہے اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے زمین جوتنے کی خدمت لی جاتی ہو اور نا کھیت میں پانی بھرتی ہو۔ بے عیب ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ یہ سن کر وہ لوگ بولے کہ اب آپ ٹھیک ٹھیک بات لائے پھر ان لوگوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے اور جب تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے تم ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اللہ یونہی مردے جلائے گا اور تمہیں ایسی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمھیں عقل ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حکم خدا کے پیش نظر بنی اسرائیل کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو معاملہ طے ہو جاتا اور وہ لوگ ادائے فرضیت سے سبکدوش ہو جاتے مگر سوال پر سوال اور بحث پر بحث کرنے لگے تو پھر انہیں دنیا کی سب سے قیمتی اور نایاب گائے کو ذبح کرنا پڑا۔ معلوم ہوا کہ شرعی احکام میں بجائے چوں چرا اور قیل و قال کے سر تسلیم خم ہو جانا چاہئے ورنہ مصائب و آلام میں اچھا خاصا اضافہ ہو جاتا ہے نتیجتاً لینے کے دینے پڑ جاتے اور پھر جان پر ایسی بن آتی ہے کہ آدمی بے بسی و بے کسی کے جال میں پھنس جاتا ہے۔۔

حیرت ہے کچھ نا عاقبت اندیش لوگ قوانین شرع پر اعتراض کرنے کی کیسے جسارت کر بیٹھتے ہیں اور یہاں تک کہہ ڈالتے ہیں کہ یہ قانون شرع ہماری عقل کے خلاف ہے ہمارے عقل کے لحاظ سے یہ نہیں بلکہ یہ ہونا چاہئے تھا العیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں

کوچوں و چرا سے پہلے اپنی عقل کی کم مائیگی کا اندازہ لگالینا چاہئے۔ کہاں ان کی عقل شریف اور کہاں حکم خداوندی!

باعث تخلیق کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل شریف سے متعلق علامہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ اپنی مایۂ ناز تصنیف لطیف شفا شریف کی جلد اول صفحہ نمبر ۴۲ میں حضرت وہب ابن منبہ رضی اللہ عنہ کا قول تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اکہتر کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ دنیا کی ابتدائے وجود سے لے کر صبح قیامت تک کے جملہ انسانوں کی عقلوں کا عقل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر کوئی موازنہ کرنا چاہے تو یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ تمام عقلوں کو سرورکائنات ﷺ کی عقل شریف سے ویسی ہی نسبت ہے جیسے ایک ریت کے ذرے کو دنیا بھر کے تمام ریگستانوں سے ہے۔ جب قیامت تک کے انسانوں کی عقلیں ایک ذرے کے برابر ہیں تو پھر قوانین شرع کو خلاف عقل کہنے والے کی حیثیت کیا بیان کی جاسکتی ہے بلکہ بیان کی ہی نہیں جاسکتی کیوں کہ کوئی حیثیت ہی باقی نہ رہی تو پھر بیان کیسا؟ ایک سچے مسلمان کے لیے یہ ناگزیر امر ہے کہ شریعت کی ہر بات کے سامنے بلا جھجھک سر تسلیم خم کردے اور اگر پیمانۂ عقل چھلکانے کا شوق چرّائے تو عقل میں سما جائے تو فبہا اور نہ سمانے کی صورت میں کسی بھی قانون شرع کو خلاف عقل نہیں بلکہ بالائے عقل جانے اسی میں اس کی دنیا و آخرت کی بہبودی مضمر ہے۔

تذکرہ قوم حزقیل علیہ السلام کا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ سوم حضرت حزقیل علیہ السلام کے عہد پاک میں بھی جب خدائے وند قدوس نے آپ کی امت پر قہر و جبر کا اظہار فرمانا چاہا تو ایسے وقت میں عذاب کے فرشتے کو حکم دیا کہ جا کر ایک پہاڑ کی آڑ میں خود کو مخفی رکھ کر موتوا کی صدا بلند کرو۔ چنانچہ عذاب کے فرشتے کے موتوا کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک لمحہ میں ستر ہزار لوگوں کی موت واقع ہوگئی۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا تعارف:

اس سے پہلے کہ ہم بیان کریں کہ یہ واقعہ کب اور کیسے پیش آیا آیئے حضرت حزقیل علیہ السلام کے بارے میں چند اہم معلومات حاصل کرتے ہیں ۔صاوی شریف میں مندرج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد آپ کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پھر ان کے بعد حضرت کالب بن یوحنا علیہما السلام منصب نبوت پر سرفراز ہوئے اور دین موسوی کی ترویج واشاعت میں تا حیات ظاہری سرگرم عمل رہے۔حضرت کالب بن یوحنا کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے سر پر رب کائنات نے تاج نبوت رکھا ۔یاد رہے کہ تفاسیر کی کتابوں میں آپ کے دو القاب کا ذکر موجود ہے۔ایک ابن العجوز اور دوسرا ذوالکفل ۔ان دونوں القاب کی وجہ تسمیہ بھی بڑی صراحت سے بیان کی گئی ہے لقب ابن العجوز کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت اس وقت ہوئی جب آپ کی والدہ ماجدہ عالم ضعیفی میں تھیں اور عجوز کا معنیٰ ہے ضعیفہ تو اس طرح آپ ابن العجوز سے یاد کئے جانے لگے یعنی ضعیفہ کا بیٹا۔ذوالکفل کا معنیٰ ہے کفالت میں لینے والا۔حضرت حزقیل علیہ السلام اس لقب سے اس لیے ملقب ہوئے کہ آپ نے انتہائی ہمت وشجاعت کے ساتھ ستر انبیاے کرام کی جانیں بچائیں جنھیں سرکش وظالم یہودی قتل کرنے کے درپے تھے۔حضرت حزقیل علیہ السلام کے جرات مندانہ اور ہمت وارانہ اقدام کا یہودیوں پر اس قدر گہرا اثر پڑا کہ جہاں ان کی ستر انبیاءکرام علیہم السلام کے قتل کی سازش یکسرنا کام ہوگئی وہیں ان میں اس بات کی بھی بساط نہ رہی کہ وہ حضرت حزقیل علیہ السلام کو قتل تو قتل ہے ذرہ برابر کسی قسم کی تکلیف ا نہیں پہنچا سکیں۔اسی مناسبت سے آپ کو ذوالکفل کہا جاتا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم پر عذاب الٰہی:

بحکم خداوندی عذاب کے فرشتے کا باآواز بلند موتوا کہنے کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے دور نبوت میں ایک مرتبہ شہر میں طاعون کی ایسی وبا پھیلی کہ لوگ اس سے پریشان ہوکر شہر چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے اور یہ سوچ کر آباد ہو گئے کہ یہاں ہم پر نہ طاعون کا اثر ہوگا اور نہ ہمیں موت سے سابقہ پڑے گا۔ اور وہ لوگ یہ فیصلہ لیتے وقت یہ بھول گئے کہ موت کا جو وقت اور جگہ مقرر ہے اس میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آسکتی اس سلسلے میں قرآن مقدس میں رب کائنات نے بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

اِذا جاء اجلهم لا يستقدمون ساعةو لا يستاخرون یعنی موت کا جو وقت متعین و مقرر ہے اس میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوسکتی ٹھیک اسی وقت میں آئے گی ایک لمحہ قبل از وقت اور نہ بعد از وقت۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ شہر چھوڑنے کے بجائے خدا کی مشیت و رضا پر راضی رہتے ہوئے اس کی عبادت میں خود کو مستغرق رکھتے۔ رب قدیر کو ان کا یہ فعل اتنا ناگوار گزرا کہ اس نے عذاب کے فرشتے کو حکم دیا کہ تم وہاں جا کر بلند اور گرجدار آواز میں موتوا یعنی مر جاؤ کہو۔ چنانچہ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ آن کی آن میں ستر ہزار کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر گئیں۔ کثیر اموات واقع ہونے کی بنیاد پر نہ ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوسکا اور نہ ان کی تدفین کا۔ صاوی شریف میں مرقوم ہے کہ ستر ہزار لوگوں کی لاش مسلسل آٹھ دنوں تک یونہی پڑی رہیں پھر نتیجہ یہ ہوا کہ ان لاشوں سے ایسی بدبو اٹھی کہ دور دور تک لوگوں کی زندگی اجیرن بن گئی۔ بالآخر لوگوں نے ان لاشوں سے اٹھنے والے تعفن سے بچنے کے لیے چہار دیواری بنا دی۔

اس واقعے کے چند ایام کے بعد اللہ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام جب اس علاقے سے گزرے اور جب انہیں کثیر تعداد میں لوگوں کی ناگہانی موت کا علم ہوا تو آپ

بے حد مغموم ہوکر خداوند قدوس کی بارگاہ میں التجا کرنے لگے کہ بارالٰہ !یہ حضرات جنہیں تیرے قہر وعذاب نے موت کی دائمی نیند سلادی ہے ان سب سے مجھے بے حد لگاؤ تھا اور یہ میرے دکھ درد میں شریک ہوا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ تیرے عبادت گزار بندے تھے جو صبح وشام تیری حمد وثنا بیان کرتے تھے لہذا تیری بارگاہ میں عرض یہ ہے کہ انھیں حیات نو عطا فرما ظاہر ہے نبی کی دعا بھلا کیسے مقبول نہ ہوتی رب کائنات نے فرمایا اے اللہ کے نبی !تم ان مردوں کی ہڈیوں سے کہو کہ وہ مجتمع ہوکر گوشت کا لباس پہن کر حسب سابق زندہ ہو جائیں۔ جوں ہی اللہ کے پیغمبر کی زبان فیض ترجمان سے مذکورہ جملے صادر ہوئے ان ستر ہزار مردوں میں زندگی کی لہر دوڑ پڑی وہ از سر نو زندہ ہوکر برسوں تک جب تک خدا نے چاہا دنیا میں زندگی گزارتے رہے۔

سورہ بقرہ کی بیسویں رکوع میں رب قدیر نے اس واقعے کو یوں بیان فرمایا ہے:

الم ترالیٰ الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم ان اللہ لذو فضل علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون۔

یعنی اے محبوب کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے نکل بھاگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمادیا کہ تم سب مر جاؤ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا بیشک اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے، مگر اکثر ناشکرے ہیں۔

اب آیئے حسب وعدہ ہم قرآن مقدس کے ان مقامات کا ذکر کرتے ہیں جہاں رب کائنات نے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بلا شبہ یہ ان کی عظمت شان کی ناقابل انکار دلیل ہے خود خالق کائنات نے ان کے اوصاف حمیدہ کو بیان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام مقامات مذکورہ کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے ایک طویل دفتر چاہیے۔ تا ہم ان

میں سے چند مقامات کا ذکر اگر نہ کیا جائے تو پھر موضوع تشنۂ تکمیل رہ جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور فرشتوں سے مشورہ:

سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں رب کائنات نے حضرات ملائکہ علیہم السلام کا بڑی صراحت سے ذکر فرمایا:

و اذ قال ربك للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها و يفسك الدماء و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك قال انى اعلم ما لم تكون تعلمون و علم الادم الاسماء كلها ثم عرضهم على الملائكة فقال انبئونى باسماء هئولاء ان كنتم صادقين۔ قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم۔ قال يا آدم انبئهم باسمائهم فلما انبئهم باسمائهم قال الم اقل لكم لنى اعلم غيب السماوات و الارض و اعلم ما تبدون و ما كنتم تكتمون۔ و اذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس ابى و استكبر و كان من الكافرين۔

یعنی اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو خون ریزی کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری پاکی بولتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے پھر ان اشیا کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ اے آدم بتا دے انہیں سب اشیا کے نام جب اس نے یعنی آدم نے سب کے نام بتا دئے فرمایا میں نہیں کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی

چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

مذکورہ آیات مقدسہ سے جہاں فرشتوں کا تقرب الیٰ اللہ ثابت ہوا وہیں ساتھ ساتھ کئی ایک اہم نکات بھی ثابت ہوتے ہیں۔

مشورہ کی اہمیت:

ایک تو یہ کہ ہر چند کہ رب کائنات کو مشورہ کی قطعی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ قادر مطلق ہے اور وہ ایسی چیزوں سے بلاشبہ بے نیاز ہے لیکن پھر بھی رب قدیر کا فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے سلسلے میں مشورہ کرنا دراصل بندوں کو مشورہ کرنے کی ہدایت دینا ہے تاکہ بندہ اپنی دنیوی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں سنت الہیہ پر عمل کرتے ہوئے کسی بھی امر مہم کو انجام دینے سے پہلے مشوروں سے کام لے۔ دوسرا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل فرشتوں کے سامنے ان کی خلقت کا اعلان ان کی عظمت شان کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔ تیسرا یہ کہ رب کائنات نے فضیلت و خلافت کا مدار علم پر رکھا نہ کہ عبادت و تقویٰ پر۔ چوتھی یہ کہ مذکورہ آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انبیا کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ملائکہ سے افضل و اعلیٰ ہوتی ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کا مسجود الیہ نہیں بنایا جاتا۔ پانچویں یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے سلسلے میں صرف فرشتوں کو باخبر کرنے میں جہاں یہ حکمت کارفرما ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے ماتحت رہنا ہے وہیں دوسری حکمت یہ ہے کہ فرشتوں کا باخبر ہونا گویا کئی مخلوقات کا باخبر ہونا ہے کیوں کہ فرشتوں کے تابع کئی مخلوقات ہیں اور تیسری حکمت یہ ہے کہ فرشتوں کو اس اہم بات سے اس لیے

مطلع کیا گیا کہ ان کے ذمے دنیا کے انتظام وانصرام ہیں۔

اس کے بعد ایک سوال پردۂ ذہن سے ٹکراسکتا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی جانب فساد وخون ریزی کی نسبت کیوں کی؟ اور انہیں کیسے معلوم ہوا کہ انسان دنیا میں فتنہ وفساد اور قتل وغارت گیری کرے گا؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا فساد وخون ریزی کا انتساب حضرت آدم علیہ السلام کی جانب ظاہرا ہے دراصل یہ انتساب آپ کی اولاد کی جانب ہے نہ کہ آپ کی جانب۔

دوسرے سوال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یا تو انہیں من جانب اللہ علم ہوگیا تھا یا انہوں نے لوح محفوظ سے معلوم کرلیا تھا یا پھر جنات کے فتنہ وفساد کے تجربہ کی بنیاد پر یا ان کا قرین قیاس تھا۔ واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں کی برتری کے اثبات میں رب کائنات نے انہیں نہ صرف یہ کہ اشیا کے اسما بتائے تھے بلکہ تمام اشیا کے اسما کے پہلو بہ پہلو تمام مسمیات کا بھی علم عطا فرمایا یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیا کے اسمائے صفات اور افعال وخواص اور اصول علوم وصناعات کا الہام وادراک ہوگیا۔

آیت میں یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی خلافت کے متعلق جو کچھ بھی رب قدیر کی بارگاہ میں عرض کیا وہ بطور استفسار تھا نہ کہ بطور اعتراض۔ اس طرح اسجدو الآدم میں فرشتوں سے جو سجدے کا حکم دیا گیا ہے وہ سجدہ سجدۂ تعظیمی تھا نہ کہ سجدۂ تعبدی کیوں کہ سجدۂ تعبدی صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے کیوں کہ صرف وہی لائق عبادت ہے اور معبود برحق ہے۔ جن مفسرین نے سجدۂ تعبدی کا قول کیا قطعی طور پر ان کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کے لیے مسجود تھے بلکہ مثل کعبہ مسجود الیہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ بنا کر خداوند قدوس کو سجدہ کیا گیا۔

صدرالافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے خزائن العرفان میں بیضاوی شریف کے حوالے سے حکم سجدہ کی جو قابل قدر حکمتیں بیان کی ہیں وہ لائق صد تحسین ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجودات کا نمونہ اور عالم روحانی وجسمانی کا مجموعہ بتایا اور ملائکہ کے لیے حصول کمالات کا وسیلہ کیا تو انہیں حکم فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں کیوں کہ اس میں شکرگزاری اور حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کے اعتراف اور اپنے مقولہ کی معذرت کی شان پائی جاتی ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب رب کائنات نے فرشتوں سے اسجدوا لآدم فرمایا تو سب سے پہلے بلبل سدرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سجدہ کیا پھر حضرت میکائیل پھر حضرت اسرافیل پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے۔ ان چاروں عظیم المرتبت ملائکہ کے بعد دیگر تمام فرشتے سربسجدہ ہو گئے۔

سجدہ کتنی مرتبہ کیا گیا:

تفسیر روح البیان میں سجدے کی مدت سے متعلق تین اقوال مندرج ہیں۔

ایک تو یہ کہ سجدے کی مدت ظہر کے وقت سے عصر کے وقت تک تھی دوسرا یہ کہ اس کی مدت سو برس تھی اور تیسرا یہ کہ پانچ سو سال تک۔ ان تینوں اقوال کے دفع اشکال کے لیے یوں تطبیق دی گئی ہے کہ پہلا سجدہ جسے جملہ ملائکہ نے ادا کیا سوائے ابلیس کے وہ قلیل وقت پر مشتمل تھا لیکن دوسرا سجدہ جو سو برس کو محیط تھا وہ سجدۂ شکر تھا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ جب فرشتوں نے پہلے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ شیطان خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی سمت پشت کیے کھڑا ہے تو سارے فرشتے رب کائنات کی بارگاہ میں سجدۂ شکر میں گر پڑے کہ مولا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہمیں تیرے حکم کی بسر و چشم تعمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ تیسرا سجدہ جو پانچ سو سال تک رہا اس کا سبب یہ بنا کہ جب فرشتوں

نے سجدۂ شکر سے سر اٹھایا تو جوں ہی ان کی نظر شیطان پر پڑی تو یہ دیکھ کر ان سب پر ہیبت طاری ہوگئی کہ شیطان جو پہلے حسین وجمیل تھا اب اس کا جسم خنزیر کی طرح اور چہرہ بندر کی طرح ہوگیا ہے۔ اس ہیبت ناک منظر کی تاب نہ لاکر تمام فرشتے تیسری بار خداوند قدوس کے خوف سے سجدے میں گر گئے۔

سب سے بڑی گواہی:

سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں اللہ جل شانہ اپنی گواہی کے ساتھ فرستوں کی گواہی کو یوں بیان فرماتا ہے:

شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة و اولو العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم ۔

یعنی اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہوکر اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں وہ عزت والا حکمت والا ہے۔

ایک خاص آیت کی عظمت:

مذکورہ آیت شریفہ انتہائی مہتم بالشان آیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خود خداوند قدوس اپنی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے اور اس کا بے پایاں کرم یہ کہ اپنی گواہی کے ساتھ فرشتوں اور اولوا العلم یعنی انبیا و اولیا کو بھی شامل فرما رہا ہے۔ یہی وہ آیت ہے جسے کتاب اللہ میں سب سے بڑی گواہی والی آیت ہونے کا اعزاز و افتخار حاصل ہے۔ اس آیت سے متعلق صاحب مدارک رقم طراز ہیں کہ جو بندۂ مومن ہر رات سونے سے پہلے اس آیت مقدسہ کی تلاوت کو اپنا معمول بنا لیتا ہے تو رب قدیر ایسے خوش نصیب انسان پر ایسے ستر ہزار فرشتے متعین فرما دیتا ہے جو تا قیام قیامت اس کے لیے رب کائنات کی بارگاہ میں مغفرت کی دعائیں کرتے رہیں گے۔

اسی طرح دیلمی میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث یوں مذکور ہے کہ یہ آیت نازل ہوتے ہی عرش اعظم سے لپٹ کر بارگاہ ایزدی میں عرض کرنے لگی کہ بارالہٰ !تو مجھے ایسے لوگوں میں نازل فرمارہا ہے جو تیری اطاعت میں تساہلی برتیں گے تو کیا وہ میری اہمیت کو سمجھتے ہوئے میری تلاوت کو اپنا معمول بنائیں گے؟ رب قدیر نے جواباً اپنی عزت وجلال کی قسم یاد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ میرا جو بندہ فرض نماز کی ادائیگی کے بعد تیری تلاوت کرے گا میں نہ صرف یہ کہ اس کو بخشش کا پروانہ عطا کروں گا بلکہ اس پر ستر نظر رحمت سے شاد کام کرتے ہوئے اس کی ستر حاجتوں کی تکمیل بھی کروں گا۔

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ آیت سب سے بڑی گواہی والی آیت ہے۔ اس سلسلے میں اس آیت کے سبب نزول کو بطور استشہاد پیش کیا جاسکتا ہے۔ تفاسیر کی تقریبا جملہ کتابوں میں اس آیت کی وجہ نزول یوں بتائی گئی ہے کہ ملک شام میں رہنے والے یہودیوں کے دو عالموں کا جب مدینہ منورہ میں ورود ہوا تو اس کے جغرافیائی ہیئت و صورت کو دیکھتے ہی وہ بے ساختہ بول پڑے کہ بلاشبہ یہی وہ شہر ہے جس کو توریت میں نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ بتایا گیا ہے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ چلو ایسا کرتے ہیں کہ اس عظیم شخصیت کی زیارت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں جس کو رب قدیر نے قیامت تک پوری کائنات کے لیے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ جوں ہی ان کی نظر سرکار والضحیٰ پر پڑی تو انھیں توریت کی ان آیات مقدسہ (جن میں حضور صلی اللہ علیہ کی صفات حمیدہ کا واضح مفصل بیان ہے) کی روشنی میں یہ سمجھتے قطعی دیر نہ لگی کہ یقیناً یہی نبی آخر الزماں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ سے وہ خود ہی بولنے لگے کہ آپ کا نام محمد ہے؟، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میری ہی آمد و بعثت کی خبریں زبور و توریت و انجیل اور دیگر صحائف میں

متواتر دی جاتی رہی ہیں۔ اگر چہ ان دونوں عالموں کو یقین کی حد تک معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ہی کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج زریں سجایا گیا ہے لیکن مزید تحقیق و بصیرت کے لیے انھوں نے عرض کیا کہ حضور والا! اگر آپ ہمارے ایک سوال کا صحیح اور شافی جواب مرحمت فرمادیں تو ہم بلا تاخیر و تامل فوراً آپ کی غلامی کا پٹہ ہمیشہ کے لیے اپنے گلے میں ڈال کر یہودیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ ان لوگوں نے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ عین اسی وقت رب قدیر نے مذکورہ آیت مقدسہ نازل فرمائی اور صاحب قرآن کی زبان فیض ترجمان سے یہ آیت سنتے ہی وہ دونوں کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اس آیت کی عظمت شان کا یہ عالم ہے کہ حضرت سعید ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے موقع پر خانہ کعبہ میں نصب تین سو ساٹھ بت سب کے سب بیک وقت سر بسجود ہو گئے۔

مفسرین کرام نے آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی شہادت فرشتوں اور اولوالعلم کی شہادت کی توضیح اس طرح پیش کی ہے کہ خدا کی اپنی وحدانیت پر شہادت سے مراد یہ ہے کہ رب کائنات نے اپنی کتابوں میں اپنی وحدانیت کی خبر دی بلفظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ رب کائنات نے اپنی وحدانیت کی گواہی کا آسمانی کتابوں میں اعلان فرمانے کے ساتھ ساتھ کائنات کی ایک ایک شئی کو اپنی وحدانیت و معبودیت و ربوبیت کے دلائل ظاہرہ و باہرہ کا آئینہ دار بنا دیا یعنی خداوند قدوس کی وحدانیت کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین کی قطعی حاجت نہیں بلکہ آسمان کا شامیانہ، زمین کا بچھونا، ستاروں کی روشنی ، آفتاب کی ضیا، چاند کی چاندنی، کہکشاں کا جمال، پھولوں کی مہک، کلیوں کی چٹک، سنگ و شجر، بحر و بر، خشک و تر، شمس و قمر، عرش و کرسی، لوح و قلم گویا کائنات کا ذرہ ذرہ رب

کائنات کے وجود اور اس کے وصف احدیت ومعبودیت وخالقیت کا زبان حال سے خطبہ پڑھ رہا ہے۔

خدا کی وحدانیت اور ایک بڑھیا

سیرت الصالحین کے اندر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑھیا سے انتہائی سبق آموز مکالمے والا واقعہ نذر قارئین ہے۔

ایک مرتبہ امام رازی علیہ الرحمہ نے ایک بڑھیا کو چرخہ کاتتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بتاؤ کیا تمہیں اس بات پر یقین ہے کہ خداوند قدوس موجود ہے، بڑھیا نے برجستہ جواب دیا کہ بلا شبہ میرا ایمان ہے کہ میرا خالق موجود ہے۔آپ نے فرمایا کیا تم اپنے اس ایمان ویقین پر دلیل پیش کرسکتی ہو؟اس نے جواباً کہا کہ جناب والا! یہی میرا چرخہ خدائے وحدہ لاشریک کے وجود پر واضح ترین دلیل ہے وہ اس طرح کہ جب یہ چرخہ میرے یا کسی اور کے چلائے بغیر چل نہیں سکتا تو پھر اتنی بڑی کائنات کسی کے چلائے بغیر کیسے چل سکتی ہے۔لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کائنات کا چلانے والا خلاق کائنات ہے جو یقیناً کل بھی چلا رہا تھا آج بھی چلا رہا ہے اور جب تک چاہے گا وہ یونہی چلاتا رہے گا ۔اس کی ذات کی نہ ابتدا ہے اور نہ ہی انتہا بلکہ وہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ پھر آپ نے دوسرا سوال یہ کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پوری کائنات کا چلانے والا ایک ہے یا دو؟بوڑھیا نے فوراً جواب دیا بے شک پوری کائنات کو چلانے والا صرف اور صرف ایک ہی خدا ہے ،یہ بات بھی میں نے اس چرخہ سے جانی کیونکہ اس چرخہ کو میں اپنی مرضی سے ایک ہی سمت کو چلاتی ہوں اگر کوئی دوسرا ہوتو پھر وہ دوسری سمت کو چلائے گا نتیجتاً چرخہ چلنے سے قاصر ہوکر ٹھہر جائے گا اسی طرح لیل ونہار کا عدم فرق اور اس کی بدستور گردش اس بات پر دلیل ہے کہ خداوند قدوس ایک ہے اور وہ موجود ہے۔

واضح رہے کہ فرشتوں کا خداوندقدوس کی ظاہر کردہ توحید کی خبر انبیا کو دینا یہ ان کی شہادت ہے اور انبیاے کرام علیہم السلام کا اپنی امتوں کو رب کائنات کے استحقاق عبادت وتوحید کی تبلیغ کرنا یہ ان کی شہادت ہے۔ انبیا، اولیا، صلحا اور علما نے توحید الٰہی کے گواہ ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ خود بھی مانا اور لوگوں سے منوایا بھی۔ انبیائے کرام نے تقاضائے وقت کے پیش نظر معجزات سے اولیاے کرام کرامت سے، صلحا روحانی اقدار سے اور علما نے دلائل وبراہین سے خدائے لم یزل کی توحید کا بین ثبوت فراہم کیا۔

حضرت یحیٰ کی ولادت کی بشارت:

اسی سورۂ آل عمران کے چوتھے رکوع میں رب کائنات اپنے نوری فرشتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فنادته الملئكت وهو قائم يصلي في المحراب ان الله يبشرك بيحيٰ مصدقا بكلمة من الله وسيداً و حضوراً ونبيا من الصلحين :

یعنی فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحیٰ کے بارے میں جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔

آیت مذکورہ بالا میں لفظ ملائکہ سے مراد فرشتے نہیں بلکہ ملک یعنی فرشتہ ہے اور وہ فرشتہ جنہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو آواز دی وہ کوئی اور نہیں بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ رہی یہ بات کہ بجائے واحد کے صیغہ جمع کیوں استعمال ہوا، اس سلسلے میں مفسرین کرام نے مختلف توضیحات پیش کی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہاں پر لفظ ملائکہ یعنی صیغہ جمع کا استعمال تعظیما ہوا ہے، دوسرا یہ کہ بسا اوقات چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی تھی اسی

مناسبت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور تیسری وجہ صیغہ جمع کی یہ ہے کہ چوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انتہائی مہتم بالشان اور جلیل القدر فقط ملک ہی نہیں بلکہ رسول الملائکہ اور سید الملائکہ ہیں اس لیے آپ کی طرف دیگر ملائکہ کو بھی منسوب کرتے ہوئے ملک کی جگہ ملائکہ فرمایا گیا ہے۔

آیت کا شان نزول

تفسیر روح البیان میں آیت مذکورہ میں کا پس منظر یوں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر خدا حضرت زکریا علیہ السلام اولاد نرینہ کے متمنی تھے مگر سن ضعیفی تک آپ کی تمنا تشنہ تکمیل رہی۔ ایک مرتبہ جب آپ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ میں قسم قسم کے بے موسم جنتی میوے دیکھ کر ان سے استفسار فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا کمرہ ہر وقت مقفل رہتا ہے اور یہاں نا کوئی آتا نہ جاتا ہے مگر یہ بے موسم کے میوے تمہارے پاس کیسے اور کہاں سے آتے ہیں؟

حضرت مریم رضی اللہ عہنا کے دانشمندانہ اور حکیمانہ جواب پر قربان جائیے فرمانے لگیں:

حضور والا! میرا پالنہار قادر مطلق ہے وہ جسے، جب اور جتنا چاہے وہم و گمان کے سوا بے حساب و کتاب نوازا کرتا ہے۔ میرے پاس یہ میوے بلا کسی انسان کے توسط سے من جانب اللہ آتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ جس وقت حضرت مریم رضی اللہ عہنا نے یہ جواب دیا اس وقت آپ بچی تھیں اور پالنے میں پرورش پا رہی تھیں۔ روح المعانی اور دیگر کتب تفاسیر میں یہ بھی درج ہے کہ آپ کی نشو نما کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنا دیگر بچے ایک سال میں۔ بلا شبہ جہاں یہ واقعہ حضرت مریم رضی اللہ عہنا کے مقرب الٰی

اللہ ہونے پر دلالت کرتا ہے وہیں آپ کی عظیم الشان کرامت کی بھی وضاحت کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں یہ کرامت اس قدر اثر انداز ہوئی کہ آپ کے دل کے نہاں خانے سے یہ آواز آئی کہ جب خداوند قدوس حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بے موسم پھل دے سکتا ہے، صغر سنی میں عقل و دانائی سے لبریز جواب دینے کی صلاحیت عطا فرما سکتا ہے تو یقیناً وہ میری بانجھ بیوی کو صحت و سلامتی اور مجھے بڑھاپے میں فرزند عطا فرما کر کے میری دیرینہ تمنا کو رشک گلستاں بھی بنا سکتا ہے۔ پھر آپ نے کمال یقین کے ساتھ بے ساختہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جو معروضات پیش کئے اسے آپ قرآن مجید کی زبان میں ساعت فرمائیں:

ھنالك دعا زكريا ربه قال رب ھب لی من لدنك ذرية طيبت انك سميع الدعاء۔

یعنی یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو بولا اے رب مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بے شک تو ہی ہے دعا سننے والا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے دعائیہ جملے باب اجابت سے ٹکرائے، رحمت الٰہی جوش میں آئی بحکم خدا حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک سفید پوش جوان کی شکل میں اس وقت نمودار ہوئے جب آپ حالت نماز میں تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مژدۂ جانفزا سنایا کہ اے اللہ کے برگزیدہ نبی! آپ کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل کر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نہایت ہی نیکوکار فرزند عطا فرمائے گا جس کا نام خود خالق کائنات نے یحییٰ رکھا ہے۔ وہ نبوت سے سرفراز ہوگا اور کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قابل صد تحسین مصدق ہوگا یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے گفتار و کردار، نشست و برخاست، انداز تبلیغ و ارشاد اس قدر اعلیٰ ہوں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلائے کلمۃ الحق کی صداقت پر واضح طور پر دلالت کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ کیوں؟

مذکورہ آیت کریمہ میں بکلمۃ من اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے، آپ کو کلمۃ اللہ کہنے میں بہت سے اسباب وعلل ہیں جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں یہ تحریر ہے کہ چوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کلمہ ٔ کن سے آپ کی ولادت ہوئی یا یہ کہ آپ کی زبان فیض ترجمان سے جو بھی کلمہ صادر ہوتا تھا وہ مبنی برحق وصداقت ہوا کرتا تھا یا یہ کہ آپ ایک مخصوص کلمے کے ذریعہ مردوں کو زندہ نابینا کو بینا اور بیماروں کو شفایاب کرتے تھے اس لیے آپ کو رب کائنات نے کلمۃ اللہ سے ملقب فرمایا۔

تفسیر کبیر کے قول کے مطابق جس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر شریف ایک سوبیس سال اور آپ کی زوجۂ محترمہ کی اٹھانوے سال تھی اور اس مژدۂ جانفزا کے تقریبا تیرہ سال یا انیس سال کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام اس منصۂ شہود میں تشریف لائے۔

خزائن العرفان میں مرقوم ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے چھ ماہ پہلے ہوئی اور یہ دونوں جلیل القدر شخصیات رشتے کے اعتبار سے خالہ زاد تھے۔ اس میں یہ بھی مندرج ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کو جب اپنے حاملہ ہونے کی خوش خبری سنائی تو انہوں نے فرمایا ہاں مجھے بھی رب کائنات نے اس نعمت سے نوازا ہے یعنی میں بھی حاملہ ہوں۔ یہ سن کر حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ محترمہ فرمانے لگیں کہ میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ میرے شکم میں پلنے والا بچہ تمہارے بطن میں نشونما پانے والے بچے کو سجدہ ریزی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عظمت:

اسی سورۂ آل عمران میں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ کی عظمت شان نساء العلمین پر برتری ،کلمۃ اللہ کی آمد کی بشارت جو دی گئی وہ بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

و اذاقـالـت الملئكة يٰمريم ان الله اصطفك وطهرك و اصطفك علیٰ نساء العلمين ۔

یعنی اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا اور ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا۔

اس آیت کے بعد تیسری آیت میں بھی **اذا قـالـت الـملئكة** کہہ کر رب کائنات یوں ارشاد فرما رہا ہے:

و اذ قـالـت الـملئكة يمريم ان الله يبشرك بكلمةمنه اسمه المسيح عيسىٰ ابن مريم و جيهافى الدنيا و الآخرة و من المقربين۔

یعنی اور یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم !اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اور وہ باعزت ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا۔

حسب آیات سابقہ مذکورہ دونوں آیتوں میں بقول صحیح ملئکہ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ذات مقدسہ ہے۔ اگر چہ بعض تفسیر نگاروں نے اس سے فرشتوں کی جماعت مراد لی ہے۔ ممکن ہے ان حضرات کا مطمح نظر یہ ہو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مع جماعت ملائکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے خطاب فرمایا۔ یہ آیت بلا شبہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت شان کو بڑے واضح انداز سے اجاگر کرتی ہے اس سے

بڑھ کر بلندئی شان کیا ہوگی کہ خود رب کائنات اپنے نوری فرشتے کے ذریعہ انہیں یہ بشارت دے رہا ہے کہ اے مریم! ہم نے تمہیں چن لیا، تمہیں خوب ستھرا کیا اور سارے جہان کی عورتوں سے تجھے پسند کیا۔ طھرک جو تطہیر سے ماخوذ ہے اس طہارت و پاکی سے مراد صرف جسمانی نہیں بلکہ قلبی اور روحانی بھی ہے۔ آپ کی پاکیزگی کا یہ عالم رہا کہ رب قدیر نہ صرف یہ کہ آپ کو حیض و نفاس سے مبرا و منزّا رکھا بلکہ تمام قسم کے ظاہری و باطنی عیوب سے بھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عظمت:

میرا خیال ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی خواتین ایسی ہیں جنہیں حیض و نفاس سے پاک رکھا گیا۔ ایک حضرت مریم اور دوسری سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جیسا کہ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

ان ابنتی فاطمة حوراء آدمية لم تحض قط۔

یعنی مری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے جسے کبھی حیض نہیں آیا۔

اب رہا ارشاد باری تعالیٰ **و صطفك على نساء العلمين** یعنی رب نے سارے جہاں کی عورتوں سے حضرت مریم کو پسند کیا اس سلسلے میں تفسیر خازن میں مندرج ہے کہ بلاشبہ ان کلمات سے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو سارے جہاں کی عورتوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر اس کا اطلاق ان کے زمانے پر ہے نا کہ ہر زمانے پر یعنی آپ اپنے زمانے میں ساری عورتوں سے افضل و اعلیٰ تھیں۔ اس قول کی تصدیق حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ اشرف المؤید میں حضرت عبداللہ سے مروی حدیث پاک یوں مذکور ہے کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ السلام نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار بڑے ہی محبت آمیز لہجے میں فرمایا:

یَابُنَیَّۃُ الا ترضی انك سیدۃ نساء العلمین ۔اے میری پیاری بیٹی !کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم سارے جہاں کی عورتوں کی سردار ہو۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ نے عرض کیا **یا ابت فاین مریم** یعنی میرے پیارے ابا جان !اگر میں سارے جہاں کی عورتوں کی سردار ہوں تو پھر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا کیا حال ہے؟ تو سرکار دو عالم ﷺ نے بڑی صراحت کے ساتھ جواباً ارشاد فرمایا: **تلك سیدۃ نساء عالمها** یعنی وہ اپنے دور کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دور میں تمام عورتوں کی سردار تھیں لیکن سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہر دور میں سارے جہاں کی عورتوں کی سردار تھیں، ہیں اور رہیں گی۔

قصہ ہاروت اور ماروت کا:

سورۂ بقرہ کے بارہویں رکوع میں رب قدیر دو بے حد عبادت گزار و تقویٰ شعار فرشتوں سے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

وما انزل علی الملکین ببابل هاروت وماروت وما یعلمن من احد حتیٰ یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر یعنی اور وہ جادو جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نا سکھائے جب تک کہ یہ نا کہہ لیتے کہ ہم نری آزمائش میں ہیں تو اپنا ایمان نا کھو۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ میں رب کائنات دو نیک سیرت فرشتوں کا ذکر فرما رہا ہے جن کے اسما اس آیت میں ہاروت اور ماروت مذکور ہیں۔ تفسیر روح البیان اور دیگر کتب تفاسیر کے تناظر میں یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ جناب ہاروت و ماروت کی من جانب اللہ شہر بابل میں تنزیل کا مقصود اصلی تھا جادو اور معجزہ ساحر اور نبی کے مابین فرق پیدا کرنا۔ اس کا سبب یہ تھا اس دور میں بابل میں پہلے ہی سے جادو عام و تام تھا اور اس کے

باشندے انبیاے کرام علیہم السلام کے معجزات کو نہ صرف یہ کہ جادو سے تعبیر کرتے تھے بلکہ جادوگر دانتے تھے اور انبیاے کرام علیہم السلام کو جادوگر کہا کرتے تھے۔ نتیجۃً وہ رشد و ہدایت کی شاہراہوں کو چھوڑ کر کفر و شرک کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ رب کائنات نے مذکورہ مہتم بالشان فرشتوں حضرت ہاروت و ماروت کو جادو کا علم دے کر بابل میں بھیجا تاکہ لوگوں میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ سحر اور ہے معجزہ اور ہے ساحر اور ہوا کرتا ہے نبی اور ہوا کرتا ہے۔ سحر اور معجزہ کا فرق سمجھنے کے لیے لوگ کفر و شرک سے برگشتہ ہو کر راہ راست پر گامزن ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ جناب ہاروت و ماروت نے بابل میں رہ کر جادو کا علم حاصل نہیں کیا تھا بلکہ جادو جانتے ہوئے آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کہ ہم ان کے نزول کے مقاصد پر روشنی ڈالیں آیئے لفظ بابل کی وجہ تسمیہ پر غور کرتے ہیں۔

بابل کیا ہے؟

بابل ملک عراق کا ایک مشہور شہر تھا اور اب بھی ہے۔ تفسیر رح البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی سے اتر کر جس جگہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سر فراز فرمایا وہ بابل تھا۔ آپ کے نزول اجلال کے فوراً بعد خداوند قدوس کی شان و مشیت کا ایسا ظہور رہا کہ وہاں اتنی زبانیں بولی جانے لگیں کہ لوگ دیکھتے دیکھتے مختلف اللسان ہو گیے۔ اس حیرت کن منظر کو ملاحظہ کرتے ہی اللہ تعالیٰ کے نبی کی زبان مقدس سے ایک جملہ **تبلبلت السنتهم** یعنی ان کی زبانیں مختلف ہوگئیں صادر ہوا۔ چونکہ بلبلہ کا معنی مختلف ہوتا ہے اسی مناسبت سے وہ جگہ بابل سے موسوم ہوگئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب ہاروت و ماروت نے اپنے مقاصد نزول میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ رب کائنات نے اپنے ان دو مقرب فرشتوں کے ذریعہ جادو اور معجزہ

کے درمیان ایک ایسی واضح ترین حد فاصل قائم کر دی کہ جس کا مآل یہ ہوا کہ لوگ صراط مستقیم پر گامزن ہونے لگے اوران کے ذہن و دماغ سے سحر اور معجزہ کا التباس کالعدم ہونے لگا۔

ذہن میں یہ خلجان نہ رہے کہ جناب ہاروت و ماروت جیسے مقرب فرشتوں نے سحر جس میں شرکیہ وکفریہ الفاظ کی آمیزش ہوتی ہے اس کی تعلیم کیسے دی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کفر سیکھنا سیکھانا قطعی کفر نہیں ہے بلکہ اس کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا کفر ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر خداوند قدوس اپنے نوری فرشتوں کو سحر کے علم کے ساتھ نازل نہیں فرماتا ۔ ثانیاً اگر کفر کو نہ جانا جائے تو پھر اس سے بچنا کیوں کر ممکن ہوگا یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے کفر وشرک کے الفاظ کو واضح طور پر بتا کر مسلمانوں کو اس سے دور ونفور رہنے کی تلقین کی ۔ ثالثاً ان فرشتوں کے نزول کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگوں کو جادو کے عمل سے محفوظ رکھا جائے تبھی تو کہا جاتا ہے کہ **الشیاء تعرف باضدادھا** یعنی شئی اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ کفر جانے بغیر ایمان کی صحیح معنوں میں کما حقہ معرفت کیسے ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کے اسلوب پر غور کرلیں تو سارے شکوک دور ہو جائیں گے۔ یعنی خداوند قدوس کو معبود برحق ماننے سے پہلے **لا الــہ** یعنی نہیں ہے کوئی کہہ کر جملہ معبودان باطل کا انکار کیا جاتا ہے پھر کہا جاتا ہے۔ **الا اللــہ** یعنی سوائے اللہ جل شانہ کے۔

اس اعتقاد کا قلع قمع کر دیا جائے کہ جادو اور معجزہ دونوں مساوی ہوتے ہیں اور معاذ اللہ نبی ساحر ہوتا ہے اور سحر کے ذریعہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیتا ہے۔ میرے اس مدعا کی سب سے بڑی وضاحت اس آیت مقدسہ میں موجود ہے رب کائنات فرماتا ہے:

وما یعلمن من احد حتیٰ یقولا انما فتنة فلا تکفر۔

یعنی اور وہ دونوں کسی کو کچھ نا سکھاتے جب تک کہ یہ نا کہہ لیتے کہ ہم نری آزمائش میں ہیں تو اپنا ایمان نا کھو۔

بہ لفظ دیگر اس کا مطلب یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ اے جادو سیکھنے والا! جادو سیکھ کر اس پر عمل واعتقاد کر کے اور اس کو مباح جان کر کافر نہ بن یہ جادو مطیع اور غیر مطیع کے درمیان امتیاز و آزمائش کے لیے نازل ہوا ہے۔

فرمان خداوندی سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ حضرات ہاروت و ماروت کسی کو بھی جادو سیکھانے سے پہلے متنبہ کر دیا کرتے تھے کہ دیکھو ہم بندوں کی آزمائش کا آلہ ہیں تمہیں اس کے ذریعہ آزمایا جا رہا ہے کہ تم میں سے کون ہے جو سحر سے احتراز کرتا ہے اور کون ہے جو اسے اختیار کرتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی تاکید افرمادیا کرتے تھے کہ تم اسے سیکھنے کے بعد کفر نا کر بیٹھنا بلکہ ایمان کو محفوظ کرنا۔

فرشتوں کی عظمت شان:

سورۂ نٰزعٰت کے پہلے رکوع میں رب کائنات اپنے نوری فرشتوں کی کس طرح قسم یاد فرما رہا ہے ملاحظہ فرمائیں،

والنّٰزعٰت غرقا والنشطٰت نشطا والسبحٰت سبحا والسبقات سبقا فالمدبرات امرا۔

یعنی قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پھر آگے بڑھ کر جلد پیریں پھر کام کی تدبیر کریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نوری مخلوقات فرشتوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا شان ہو سکتی ہے کہ خود خلاق کائنات ان کے کارہائے نمایاں کا ذکر فرماتے ہوئے ان کی قسم یاد فرما رہا ہے۔ مذکورہ آیات میں پہلی آیت سے متعلق صاحب تفسیر روح البیان تحریر فرماتے ہیں

کہ سختی سے جان کھینچیں سے مراد ان فرشتوں کی ذوات نوریہ ہیں جو من جانب اللہ جان کھینچنے یعنی روح قبض کرنے پر مامور ہیں، مزید فرماتے ہیں کہ سختی سے کھینچے کا تعلق کافروں سے ہے نا کہ مومنوں سے۔ دوسری آیت **والنشطٰت نشطا** یعنی نرمی سے بند کھولیں کا انسلاک مومنوں سے ہے نہ کہ کافروں سے۔ یہ تفسیر جہاں ایمان کی بلندئ شان پر دلالت کرتی ہے وہیں مومنوں کی خوش بختیوں کو بھی دوبالا کرتی ہے۔ رب کائنات اپنے مومن بندوں پر اس قدر مہربان ہے کہ ان کے لیے نرمی رکھی اور کافروں پر اس کے غیض وغضب کا یہ عالم کہ ان کے لیے سختی کا برتاؤ رکھا۔

تیسری آیت **والسبحت سبحا** سے متعلق باب العلم مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں کہ آسانی سے پیریں سے مراد ہے آسمان وزمین کے اندر مومنین کی روحیں لے کر آسانی سے پھریں۔ چوتھی اور پانچویں آیات کے تناظر میں صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ آگے بڑھ کر جلد پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے جن خدمات پر مامور ہیں کہ ان کو بجالانے میں قطعی کبھی تاخیر سے کام نہیں لیتے بلکہ رب قدیر کی رضا وخوشنودی کے لیے آگے بڑھتے ہوئے جلد سے جلد تر مامور بہ امور دنیویہ کے انتظام وانصرام کو بحسن وخوبی سرانجام دیتے ہیں۔

سورۂ جن کے دوسرے رکوع میں خدائے لم یزل جل شانہ اپنے مرتضٰی رسولوں کے علم غیب کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ان فرشتوں کا بھی ذکر فرمارہا ہے جو رسل عظام کے حفاظتی اقدام میں سرگرم عمل رہتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدا الا من الرتضیٰ من رسول فانه لیسلك من بین یدیه و من خلفه رصدا۔

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کردیتا ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت میں **من بین یدیہ و من خلفہ** سے مراد وہ نوری فرشتے ہیں جنہیں رسولوں کی حفاظت کے لیے اللہ تعالی متعین ومقرر فرمادیتا ہے۔اس سلسلے میں حضرت عبدالملک ثقفی کی روایت کردہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے قدرے طویل ہے، آیئے اس کا اختصار ملاحظہ فرمائیے

نبی کریم ﷺ کا رعب

ایک شخص مکہ مکرمہ تجارت کی غرض سے آیا تو اس کی ملاقات ابو جہل سے ہوگئی۔ابو جہل نے اس تاجر کے سارے تجارتی سامان اس عہد و پیمان پر خرید لئے کہ ان کی قیمت میں کل ادا کروں گا۔ تاجر اس پر راضی ہوگیا اور اس نے سارے سامان ابو جہل کے حوالے کردیا۔ابو جہل کی نیت میں چوں کہ پہلے ہی سے فطور تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے وعدہ خلافی کی وقت موعود کی کیا تخصیص بلکہ کئی دن گزر گئے تاجر کے پیہم تقاضوں کے باوجود بھی اس نے تاجر سے خریدے ہوئے سامان کی قیمت تو قیمت پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی جب بھی تقاضا کیا جاتا تو وہ بڑے ہی شاطرانہ انداز میں کوئی نا کوئی بہانہ بنا کر ٹال مٹول کرلیتا اور بڑی ہی چابکدستی سے پتلی گلی سے نکل جاتا۔یہی سلسلہ متواتر کئی روز تک چلتا رہا انجام کار تاجر مجبور ہو کر روٴسائے قریش کے پاس ابو جہل کی بدعہدی کے متعلق ساری باتیں رکھیں اور ان سے مدد کا خواستگار ہوا مگر ان سب پر ابو جہل کا ایسا رعب ودبدبہ مسلط تھا کہ سب نے اس سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ وہ بڑا ہی چال باز اور پر خطر انسان ہے۔لہذا ہم اس معاملہ میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے ہیں اور نہ اس سے الجھنا ۔لیکن ہم تمہیں ایک انتہائی مفید مشورہ دیتے ہیں اگر تم اس پر عمل کروگے تو ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ تمہاری حق واجب رقم تمہیں ضرور بالضرور مل جائے گی۔اتنا کہہ کر روٴسائے قریش نے اشارہ کرتے ہوئے تاجر سے کہا وہ دیکھو فلاں جگہ ایک نورانی

چہرے والا شخص بیٹھا ہوا ہے اس سے جا کر اپنا استغاثہ پیش کرو یقیناً وہ تمہاری مدد کرے گا ۔ابوجہل سے تمہارے سامان کی قیمت دلوا کر تمہارے مسئلے کا حل نکال دے گا۔

رؤسائے قریش کا اشارہ پاتے ہی وہ تاجر بڑی تیزی کے ساتھ اس نورانی پیکر کے پاس پہنچا، یاد رہے وہ روئے والضحیٰ والا کوئی اور نہیں تھا بلکہ محسن انسانیت انیس بے کساں ،چارہ سازے دردمنداں، بے کسوں کے کس، بے بسوں کے بس جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات تھی سرکار ابد قرار ﷺ نے اس تاجر کی پوری روداد سنتے ہی فوراً اسے ہمراہ لے کر ابوجہل کے مکان پر پہنچے۔ جوں ہی اس کے دروازے پر آپ نے دستک دی اندر سے ابوجہل کہنے لگا کون؟ جیسے ہی آپ نے اپنا نام نامی اسم گرامی بتایا تو ابوجہل ہانپتا کانپتا پسینے سے شرابور باہر آیا اور کہنے لگا جناب والا آپ کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔آپ حکم فرماتے تو میں خود ہی آپ کی بارگاہ میں سر کے بل آجاتا خیر فرمائیے زحمت کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے بلا کسی تامل کے فرمایا کہ اس تاجر سے تم نے سامان خریدا ہے لہذا ابھی فوراً اس کی کل قیمت فی الفور ادا کرو۔ بلا چوں چرا اور کسی قسم کی قیل وقال کئے بغیر ابوجہل الٹے پیر گھر کے اندر گیا اور جتنی رقم واجب الادا تھی تاجر کو دے دی اور تاجر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر پیش کیا اور خوش وخرم اپنے شہر کی جانب واپس ہوگیا۔

جب لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ابوجہل کو آڑے ہاتھ لیا اور اس کی خوب کھینچائی کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر سوالوں کی بوچھار کر دی کہ جناب! تم تو بڑی ڈینگیں مارتے پھرتے تھے کہ تم بہت بڑے جری اور بہادر ہو لیکن تمہاری بزدلی کا یہ عالم کہ محمد ﷺ کو دیکھتے ہی تم حواس باختہ ہو گئے اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے جب اس قسم کے تلخ جملے ابوجہل نے سنے، جواباً کہنے لگا یارو! بات ایسی ہے کہ میں محمد کے

ساتھ ایک بھیانک بیل دیکھا مرتا کیا نا کرتا اگر میں وہ رقم واپس نہیں کرتا تو مجھے یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بیل میرا کام تمام کر دے۔

اس بیل کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بیل نہیں تھا بلکہ بلبل سدرہ رسول الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو میری محافظت فرما رہے تھے۔

مذکورہ آیت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بلا شبہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو علوم غیبیہ سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رہے کہ یہ اطلاع محض اطلاع نہیں ہوتی بلکہ اطلاع کامل ہوتی ہے اور کشف محض کشف نہیں ہوتا بلکہ کشف تام ہوتا ہے۔ اپنے رسولوں پر رب کے مسلط کردہ غیوب دراصل ایسے روشن معجزے ہوتے ہیں جن سے دشمنان دین کی ضلالت زدہ فکر وشعور کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور وہ رسول کی رسالت وحقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یوں تو مرتضیٰ رسولوں کی ایک لمبی فہرست موجود ہے مگر یہ ہمارے آقائے کریم ﷺ پر رب ذوالجلال کا بے پایاں فیضان ہے کہ اس نے آپ کو نہ صرف یہ کہ جملہ مرتضے رسولوں سے برتر وفائق بنایا بلکہ آپ کو ماکان ما یکون اور تمام اشیا کے علوم سے بھی فیض یاب فرمایا۔ اس تناظر میں کثیر وقیع حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں مگر ہم اس میں سے چند احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تاکہ علم غیب مصطفیٰ ﷺ سے متعلق قارئین کے قلوب واذہان منور ومجلی ہو جائیں۔

علم غیب احادیث کی روشنی میں:

خدائے عالم الغیب والشہادۃ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ آپ مرئی تو مرئی ٹھہری غیر مرئی اشیا کو بھی ملاحظہ فرمالیا کرتے تھے۔ جس ذات مقدس سے غیر مرئی اشیا بھی مخفی نہ رہ سکے تو پھر وہ غیوب جو مرئی کے ضمن میں آتے

ہیں مستتر کیسے رہ سکتے ہیں۔ میرے اس دعوے کی پشت پناہ صحیح البخاری جلد اول ص۲۰۱ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث ہے:

عن ابی هريرة ان رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم قال هل ترون قبلتی ههنا فوالله ما يخفىٰ علی خشوعكم ولا ركوعكم انی لا راكم من وراء ظهری۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ یہ ہے خدا کی قسم مجھ پر تمہارا خشوع مخفی ہے اور نہ ہی تمہارا رکوع میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

یہ بات ارباب علم و دانش سے پوشیدہ نہیں کہ خشوع نام ہے دل کی ایک کیفیت کا جو بلاشبہ غیر مرئی ہے۔ جب یہ کیفیت آپ کی نگاہوں سے چھپ نہیں سکتی تو پھر دیگر غیوب کا کیا کہنا۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے لکھ آئے ہیں کہ رب قدیر نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ما کان و ما یکون کے علوم سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ آیئے ہمارا یہ دعویٰ تشنہ دلیل نہ رہ جائے اس کے استشہاد میں صحیح مسلم کی جلد دوم کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی زيد يعنی عمر ابن اخطب الانصاری قال صلىٰ بنا رسول الله ﷺ الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتىٰ حضرت الظهر فنزل و صلىٰ ثم صعد المنبر فخطبنا حتىٰ حضرت العصر ثم نزل فصلىٰ ثم صعد المنبر فخطبنا حتىٰ غربت الشمس فاخبرنا بما كان و بما هوكائن فاعلمنا واحفظنا ۔

ترجمہ: حضرت ابو زید یعنی عمر ابن اخطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کی امامت فرمائی اور ممبر شریف پر جلوہ فرما ہو کر خطبہ ارشاد

فرمایا یہاں تک کہ ظہر آ پہنچا پھر ممبر شریف سے نزول فرمایا نماز پڑھائی اس کے بعد منبر پر رونق افروز ہوئے پھر خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ وقت عصر آ گیا پھر منبر سے اتر کر نماز پڑھائی اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس خطبہ میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے تمام واقعات کی آپ نے ہمیں خبر دے دی تو ہم لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ شخص ہے جسے حضور کی بتائی ہوئی خبریں زیادہ یاد رہیں۔

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک اور حدیث صحیح البخاری جلد اول ص ۴۳۴ میں یوں ہے:

عن عمر قال قام رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ و سلم مقامافاخبرنا عن بدء الخلق حتیٰ دخل اھل الجنۃ منازلھم و اھل النار منازلھم حفظ ذالک من حفظہ و نسیہ من نسیہ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مقام پر لوگوں کے مجمع میں خلقت کی پیدائش سے جنتیوں کے جنت میں جانے اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے تک کے تمام حالات کی خبر دے دی۔ سامعین میں جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا جو بھول گیا بھول گیا۔

مذکورہ آیت میں **الا من الرتضیٰ** من رسول سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یقیناً عالم الغیب خداوند قدوس اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیب پر قابو عطا فرماتا ہے ۔رسولان عظام میں ہمارے آقا و مولا حضور نبی کریم ﷺ کا ایک مابہ الامتیاز وصف ہے کہ آپ نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں جسم و روح کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا دیدار کیا۔

رب کا دیدار بیداری کی حالت میں ہوا:

تفسیر احمدیہ کے صفحہ ۴۱۸ میں حضرت ملا جیون استاذ حضرت اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ رقم فرماتے ہیں:

و الاصح انہ کان فی الیقظۃ بجسدہ مع روحہ و علیہ اھل السنۃ و الجماعۃ فمن قال انہ بروح فقط اوفی النوم فقد مبتدع ضال مضل فاسق۔

یعنی صحیح ترین قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کو معراج بیداری کی حالت میں اور جسم و روح کے ساتھ نصیب ہوئی یہی اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے۔ لہذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روح کے ساتھ ہوئی یا فقط عالم خواب میں ہوئی وہ شخص بدعتی گمراہ گمراہ کن اور فاسق ہے۔

اب میرا مدعائے تحریر یہ ہے کہ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سب سے بڑا غیب ذات باری تعالیٰ ہے اور جس رسول نے سب سے بڑے غیب یعنی ذات باری تعالیٰ کا دیدار کیا ہو پھر اس رسول کی بارگاہ نبوت سے بھلا کون سا غیب، غیب رہ سکتا ہے اس بات کو سیدنا اعلیٰ حضرت نے کتنے پیارے انداز سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

دراصل میرا موضوع قرآن مقدس میں فرشتوں کا ذکر جمیل ہے اس لیے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ چوں کہ آیت مقدسہ کے ضمن میں علم غیب کی بات چھڑ گئی تو چند سطریں سپرد قرطاس کر دیں ویسے اگر آپ تفصیل جاننا چاہیں تو راقم الحروف کی انگریزی کتاب۔ The knoledge of the unseen کا ضرور مطالعہ کریں۔ ان شاء اللہ

عزوجل ساری شقیں دور ہو جائیں گی اور آپ منکرین علم غیب کو دندان شکن جواب بھی دینے پر قادر ہو جائیں گے۔

سورۂ زمر کے آٹھویں رکوع میں رب قدیر ارشاد فرماتا ہے "**وتری الملائکة حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم و قضی بینھم بالحق و قیل الحمد للہ رب العلمین**" اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کیے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا رب ہے۔

مندرجہ بلا آیت مقدسہ میں خداوند قدوس ان مقدس فرشتوں کا ذکر فرما رہا ہے جنھیں ہم کل بروز قیامت حساب و کتاب کے بعد جب مؤمنوں کو جنت اور کافروں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا اس وقت عرش اعظم کے اردگرد محو تسبیح و تہلیل مشاہدہ کریں گے۔ صاحب مدارک نے جنتیوں کے دخول جنت کے سلسلے میں باب العلم مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی بڑی ایمان افروز حدیث نقل فرمائی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ رب کائنات مؤمنوں کو بڑے ہی عزت و اکرام و اہتمام کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا۔ یعنی دخول جنت سے قبل جنت کے قریب ایک درخت کے نیچے جاری دو چشموں سے مومنین کو فیض یاب ہونے کا اس طرح موقع فراہم کیا جائے گا کہ ایک چشمے سے مومنین غسل کریں گے اور دوسرے چشمے سے اس کا پانی نوش کریں گے، پہلے چشمے سے غسل کرتے ہی ان کا بدن بالکلیہ مصطفیٰ و مزکی ہو جائے گا اور دوسرے چشمے کا پانی پیتے ہی ان کے باطن میں پاکیزگیوں کی لہر دوڑ جائے گی۔ بلفظ دیگر مومنوں کے ظاہر و باطن کو مکمل طور پر پیکر تقدیس بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جب مومنین اس عظمت شان سے داخل ہوں گے تو جنت کے دروازے پر ان کے استقبال اجلال اور خیر مقدم کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے نوری فرشتوں کی قطاریں لگی ہوں گی۔

سورۂ ق کے دوسرے رکوع میں رب کائنات نے ایسے دو فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک بروز حشر اہل محشر کو محشر کی طرف طرف ہانکے گا اور دوسرا بطور گواہ حاظر رہے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ **وجائت کل نفس معھاسائق وشھید** یعنی اور ہر جان یوں حاضر ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ۔

تفسیر جمل میں مرقوم ہے کہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر منبر فرمایا کہ اس آیت میں سائق سے مراد فرشتہ ہے اور شہید گواہ سے مراد بھی فرشتہ ہے بلکہ اس سلسلے میں رئس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سائق فرشتہ ہوگا لیکن شہید خود انسان کا نفس اور حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سائق فرشتہ ہوگا لیکن شہید انسان کے جسم کے اعضا ہوں گے۔

سورۂ بنی اسرائیل کے پانچویں رکوع میں رب کائنات ایسے ایک انتہائی خوش نصیب فرشتے کا تذکرہ فرما رہا ہے جو خانۂ کعبہ میں رسول دو عالم ﷺ اور حمالۃ الحطب ام جمیل کے درمیان حائل ہوگیا یہاں تک کہ ام جمیل اپنے ناپاک مقصد میں مایوس و ناکام ہوکر حرم کعبہ سے باہر نکل گئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **واذا قرات القران جعلنا بینك و بین الذین لا یو منون با الآخر ۃ حجابا مستورا** یعنی اور اے محبوب تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم پر اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا۔

یاد رہے کہ مذکورہ بالا آیت شریفہ میں **قرات القرآن** سے مراد خود صاحب قرآن ہیں **لا یئومنون باالآخرۃ** سے مراد ابولہب کی بیوی ام جمیل ہے اور حجابا مستورا سے مراد فرشتہ ہے۔

یہ چنداں بتانے کی ضرورت نہیں کہ ابولہب اور اس کی بیوی حما لتہ الحطب ام جمیل نے سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں کس قدر گستاخیاں کیں اور آپ کو کتنی اذیتیں پہنچائیں ۔ان دل سوز واقعات سے احادیث وسیر کے اوراق کے اوراق اشکبار ہیں۔ یوں کہہ لیں کہ ابولہب اگر سیر تھا تو اس کی بیوی سوا سیر تھی ۔ یہ ہمارے آقا ﷺ کا اخلاق بالا ہے کہ جب جب کسی نابکار نے آپ کو اذیت پہنچائی یا آپ کی شان میں گستاخیاں کرنے یا نازیبا الفاظ استعمال کرنے کی ناپاک کوششیں کیں تو رب قدیر نے اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے انہیں جواب دے کر ہمیشہ کے لئے رسوائے زمانہ کردیا۔ چنانچہ اس طرح کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور پرنور ﷺ حکم خدا **فاصدع بما تؤ مر** پر عمل کرتے ہوئے صفا پر مکہ والوں کو جمع فرما کر حق کی دعوت دے رہے تھے،آپ کی دعوت وتبلیغ کا انداز بھی ایسا انوکھا اور نرالا تھا کہ جس کی مثال نہ کبھی مل سکی اور نہ مل سکتی ہے۔اعلائے کلمتہ الحق سے پہلے آپ نے اپنی مقدس ذات کو منوایا اور سارے مکہ والوں نے بیک زبان آپ کے صادق و امین ہونے کا محض اعتراف ہی نہیں بلکہ برملا بیک زبان ہوکر اعلان کیا اے محمد! بلاشبہ آپ ایسے امین وصادق ہیں کہ پورا عرب آپ کی امانت وصداقت کا خطبہ پڑھ رہا ہے جب کفار مکہ نے آپ کی صداقت وامانت کی گواہیاں دے دیں تو پھر آپ نے انتہائی فصیح وبلیغ انداز مین فرمایا **انی لکم نذیر بین یدی عذاب شدید** بس اتنا سننا تھا کہ ابولہب کا تیور چڑھ گیا اس کی پیشانی پر بل کے بل آنے لگے اور وہ پھنکارتا ہوا کہنے لگا کہ اے محمد! ہمیں اس لئے یہاں پر جمع کیا تھا اسی پر بس نہیں بلکہ نابکار زمانہ یہاں تک کہہ ڈالا:

اے محمد! تم تباہ ہو جاؤ۔

ام جمیل سے حضور ﷺ کی حفاظت

قربان جائیے ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان پر کہ جوں ہی ابو

لہب کے منہ سے آپ کی شان میں گستاخانہ جملہ نکلا تو رب ذو الجلال کو جلال آ گیا اور اس نے پوری سورہ لہب ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت پر اتار دیا۔

جب یہ خبر ابولہب کی بیوی تک پہنچی کہ محمد کے خدا نے اس کی اور اس کے شوہر کی مذمت میں ایک مکمل سورہ نازل کیا ہے تو پھر وہ آپے سے باہر ہوگئی اور مارے غصے سے اس کی بھوئیں تن گئیں پھر کیا تھا آگ بگولہ ہو کر ایک بھاری پتھر لے کر حرم کعبہ کی جانب یہ کہتی ہوئی چل پڑی کہ آج عبداللہ کے بیٹے محمد کا اسی پتھر سے خاتمہ کروں گی۔ اس کی اتنی ہمت کہ میری ہجو کرے۔ چاہے آج کچھ بھی ہو جائے اس کا کام تمام کر کے ہی دم لوں گی تا کہ نا رہے بانس نہ بجے بانسری۔

جس وقت وہ حرم کعبہ میں داخل ہوئی اس وقت حضور اکرم ﷺ تلاوت قرآن پاک فرما رہے تھے اور کعبہ سے متصل آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ سچ کہا کسی نے جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ ام جمیل پتھر لیے اول فول بکتی ہوئی سرور عالم ﷺ کے قریب سے بار بار گزرتی رہی لیکن خدا کا کرنا کہ اسے آپ نظر نہ آئے۔ تلاش بسیار کے بعد تھکی، ہاری ہانپتی، کانپتی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر پوچھنے لگی کہ ابوبکر بتا تیرا یار محمد کہاں ہے؟ اس نے میری ہجو کی ہے لہذا میں اس کا خاتمہ کر کے ہی گھر واپس جاؤں گی۔ کتب تفاسیر بتاتی ہیں کہ جب وہ بول رہی تھی تو اس وقت وہ اس قدر غیض وغضب کے عالم میں تھی کہ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی متانت و سنجیدگی سے فرمایا کہ دیکھو! یہ میرے آقا پر تمہارا سراسر الزام ہے۔ میرے رسول جب شاعر نہیں ہیں تو تمہاری ہجو کیسے کر سکتے ہیں؟

المختصر جب وہ چکر لگا لگا کر مکمل طور پر مایوس ہوگئی اور ہزار کوششوں کے بعد بھی اسے سرکار ابد قرار ﷺ نظر نہ آئے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑی گرج دار انداز

میں یہ کہتے ہوئے حرم کعبہ سے باہر پاؤں پٹختی ہوئی نکل گئی کہ ابوبکر سن ! آج تیرے رسول کی قسمت اچھی تھی جو وہ آج بچ نکلے ورنہ اگر وہ مجھے مل جاتے تو میں آج واقعی اس پتھر سے ان کا سر اس طرح کچل ڈالتی کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاکر چشم زدن میں موت کی تیرہ وتاریک وادی میں ہمیشہ کے لیے پہنچ جاتے۔

مشرکہ و کافرہ زوجۂ ابولہب ام جمیل کے جانے کے بعد حضرت صدیق اکبر نے سارا واقعہ حضور پرنور ﷺ کو سنایا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ فداك ابی و امی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ام جمیل آپ کے پاس سے بار بار گزرتی گئی مگر آپ اسے نظر کیوں نہیں آئے؟ آپ ﷺ نے زیر لب مسکراتے ہوئے فرمایا:

ابوبکر میں بھی اس کی دوڑ دھوپ، تگ ودود، غیض وغضب، بڑبڑاہٹ، چکر پہ چکر اور میرے پاس متعدد بار گزرنے کو خوب دیکھ رہا تھا مگر مجھے وہ نہ دیکھ پائی اور دیکھ پاتی بھی کیسے جب کہ میرے حافظ وناصر خداوند کونین نے میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ حائل کر دیا تھا کہ وہ نہ مجھے دیکھ پائے اور نہ مجھے کسی قسم کی ذرہ برابر بھی گزند پہنچا سکے۔

کاتبین اعمال فرشتے:

سورہ انعام کے آٹھویں رکوع میں رب کائنات ان فرشتوں کا ذکر فرما رہا ہے جو ہماری حفاظت کے لیے اور ہماری روح کے انقباض کے لیے متعین ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **و ھو القاھر فوق عبادہ و یرسل علیکم حفظة حتی اذا جاء احدکم الموت توفته رسلنا وھم لا یفطرون۔**

یعنی وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے۔

مذکورہ آیت میں **ھو القاھر** سے مراد بلاشبہ ذات باری تعالیٰ ہے مگر اتنا یاد رہے

کہ یہاں قہر سے قطعی طور پر ظلم مراد نہیں کیوں کہ یقیناً یہ ہمارا بنیادی عقیدہ ہے کہ رب کائنات کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ فرمان عالی شان ہے **ان اللہ لیس بظلام للعبید** یعنی بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ جو ذات رحمٰن و رحیم ہو بھلا اس سے صدور ظلم کیسے متصور ہو سکتا ہے پھر یہ کہ ظلم نقص و گناہ ہے اور اس کی ذات ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور ہمیشہ پاک رہے گی۔ البتہ یہاں قاہر سے مراد غلبہ، قبضہ اور تصرف والا ہے۔ واضح رہے کہ قاہر ایسے غلبہ و قدرت والے کو کہتے ہیں جس کا غلبہ و قدرت عارضی یا وقتی نہ ہو بلکہ دائمی و سرمدی ہو اور یہ شان خدائے وحدہ لاشریک کو زیبا ہے۔

حفظة حافظ کی جمع ہے جس کا معنی ہے نگہبان و محافظ اور ان نگہبان و محافظ سے مراد ان فرشتوں کی مقدس جماعت ہے جو ہماری نگہبانی و محافظت شکم مادر سے کر موت کے وقت تک کرتے رہتے ہیں۔

حفظہ حافظہ کے دائرے میں جہاں کاتبین اعمال فرشتے آتے ہیں وہیں دیگر محافظین فرشتے بھی۔ یہ بات مسلم ہے کہ کاتبین اعمال صرف دو فرشتے ہیں جنہیں کراماً کاتبین کے اسما سے یاد کیا جاتا ہے ان کا کام بندوں کی بلوغیت سے لے کر موت تک کے نامۂ اعمال میں ان کے وہ اعمال نیک و بد لکھنا ہیں جن کا ارتکاب حالت بیداری اور ہوش و حواس میں کیا ہو۔ جہاں تک اعمال صالحہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں احادیث و تفاسیر کی مختلف کتابوں میں مندرج ہے کہ بندہ جیسے ہی کسی بھی کار خیر کی نیت کر لیتا ہے اسی وقت نیکی لکھ دی جاتی ہے بھلے وہ اس نیت کو عملی جامہ پہنائے یا نہ پہنائے مگر برخلاف اس کے بندہ فعل بد کی نیت کرے یا اس کا مرتکب ہو جائے تب بھی اس وقت تک اس کے گناہ لکھے نہیں جاتے جب تک وہ اپنے کیے پر توبہ نہ کر لے یعنی ارتکاب گناہ کے بعد توبہ تک انتظار کیا جاتا ہے بلفظ دیگر بندے کو توبہ کی مہلت دی جاتی ہے اور جب وہ توبہ نہیں کرتا تب اس کا گناہ نامۂ اعمال میں اندراج کر دیا جاتا ہے۔ خداوند قدوس کی اس شان رؤفی

ورحیمی پر جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ تبھی تو حدیثوں میں آیا کہ رب کائنات اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے ادھر خلاق کائنات کے بے مثال و بے پایاں رحم وکرم کا یہ عالم اور ادھر ہم بدکاروں کی ڈھٹائی کا یہ حال کہ رب قدیر کی جانب سے عطا کردہ اس قدر مہلتوں اور آسانیوں کے باوجود نہ ہم میں صدور گناہ کے بعد ندامت کا احساس جاگتا ہے اور نہ ہم توبہ کی جانب مائل ہوتے ہیں بلکہ ظلم بالائے ظلم یہ کہ ہم بڑی بے خوفی کے ساتھ اپنی عاقبت سے بے خبر گناہوں پر اصرار کرتے جاتے ہیں۔ **استغفر الله !**

یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ کراماً کاتبین ہمارے تمام حرکات وسکنات، اقوال و افعال کو قید تحریر میں لاتے ہیں جیسا کہ اس پر آیت قرآنیہ دال ہے **مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید ۔**

محافظین فرشتے:

یہ مختصر گفتگو تھی کاتبین اعمال فرشتوں سے متعلق اب آیئے ان فرشتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جنھیں حافظین سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مختصرا کتب تفاسیر مثلا روح البیان ،تفسیر کبیر، تفسیر معانی ،تفسیر خازن وغیرہ میں جو باتیں ملائکۂ حافظین، کروبین وروحانین کے سلسلے میں مرقوم ہیں ان کا لب لباب نذر قارئین ہے۔

ہماری محافظت کے لیے من جانب اللہ جو فرشتے مامور و متعین ہیں ان کی تعداد کہیں اکسٹھ تو کہیں سر سٹھ بتائی گئی ہے۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو شکم مادر سے لے کر موت کے وقت تک ہم سے کبھی بھی منفک نہیں ہوتے۔ چند صفحات پیشتر ہم نے وہ حدیثیں قلمبند کی ہیں جن سے وضاحت وصراحت سے یہ بات مترشح ہو جاتی ہے کہ فرشتوں کا سلسلۂ محافظت از قبل ولادت تا وقت ممات جاری وساری رہتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ایک مرحلے تک

ایک فرشتہ حفاظتی اقدام میں سرگرم عمل رہتا ہے پھر دوسرے مرحلے میں دوسرا فرشتہ اس کے مقام پر مامور ہو جاتا ہے، مثلاً جب تک بچہ اپنی ماں کے شکم میں رہتا ہے اس کی حفاظت ایک فرشتہ کرتا ہے، جب وہ بچہ خاکدان گیتی پر آ جاتا ہے تو پھر دوسرا فرشتہ اپنے حصار حفظ وامان میں لے لیتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ بدستور موت تک رواں دواں رہتا ہے۔

مذکورہ آیت مقدسہ کے دوسرے جز **حتی اذا جاء احدکم الموت توفته رسلنا و هم لا یفرطون** میں ان فرشتوں سے متعلق بیان کیا جا رہا ہے جو انقباض روح پر متعین ہیں۔ عام طور یہ مشہور ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام تنہا روح قبض کرتے ہیں حالانکہ یہ بات حقائق کے تناظر میں درست نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو آیت کریمہ میں رسلنا کے بجائے رسولنا کا استعمال ہوتا۔ رسول کا صیغہ جمع رسلنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فقط حضرت عزرائیل علیہ السلام نہیں بلکہ تفسیر خازن کی صراحت کے پیش نظر حضرت ملک الموت کے ساتھ چودہ فرشتوں کی مقدس جماعت روحوں کو قبض کرنے کے لیے آتی ہے، ان چودہ فرشتوں میں سات رحمت کے ہوتے ہیں اور بقیہ سات عذاب کے۔ جب کسی مومن کی روح نکالنے کا وقت آتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ساتھ رحمت کے سات فرشتے ان کے اعوان بن کر قدم سے حلقوم تک جان نکالتے ہیں اور پھر حلقوم سے حضرت عزرائیل علیہ السلام انقباض روح کی تکمیل فرماتے ہیں۔ اسی طرح جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو آپ کے ساتھ عذاب کے فرشتے آپ کے معاون بن کر قدم سے حلقوم تک بڑی سختی سے اس کی روح نکالتے ہیں اور پھر حلقوم سے حضرت عزرائیل علیہ السلام اس امر کو سرانجام دیتے ہیں۔

جن مفسروں نے مذکورہ آیت میں صیغۂ جمع رسلنا کے استعمال کو تعظیما سے تعبیر اور اس سے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی ذات مقدسہ مراد لی ان کا یہ مطلب نہیں کہ روح نکالنے میں بقیہ فرشتے آپ کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ چوں کہ آپ اس

جماعت ملائکہ (جو آپ کے تابع بن کے آتے ہیں) کے سردار کی حیثیت سے آتے ہیں اس لیے آپ کی ذات کی تخصیص کر دی گئی۔ بلفظ دیگر متبوع لہ کے ذکر پر اس لیے اکتفا کیا گیا کہ متبوع کے ذکر میں خود تابع کا ذکر بھی شامل ہو جاتا ہے۔

ایک اہم فرق بھی ملحوظ خاطر رہے کہ روح نکالنے والے فرشتے اور ہیں، روح کو لے جانے والے فرشتے اور ہیں اور قبر میں سوالات کرنے والے اور ہیں۔

مذکورہ آیت مقدسہ میں **و ھو لا یفرطون** یعنی اور وہ قصور نہیں کرتے اس بات کی بین دلیل ہے کہ سارے فرشتے معصوم ہوتے ہیں ان سے نہ کبھی کسی قسم کا گناہ سرزد ہوا اور نہ ہونے کا امکان ہے۔ ان کی معصومیت کی اہم وجہ یہ ہے کہ وہ خداوند قدوس کے ایسے مطیع ہوتے ہیں کہ جس کام پر اللہ نے انہیں مامور و متعین فرما دیا ہے وہ اس میں اخلاص وللّٰہیت اور انہماک و استغراق کے ساتھ مصروف و مشغول ہیں۔ وہ ماموربہ سے نہ سرمو انحراف کرتے ہیں اور نہ کسی قسم کی کمی وبیشی۔

اسی لیے سورہ انعام کے پہلے رکوع میں کفار کے مطالبے (کوئی فرشتہ اپنی شکل اصلی میں اتر کر گواہی کیوں نہیں دیتا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور انسان کے بجائے فرشتے کیوں نہیں رسول بن کر آتے ہیں کیوں کہ انسان بار نبوت کا متحمل نہیں) کی تردید میں رب کائنات نے ارشاد فرمایا "**و قالوا لو لا انزلنا علیه ملك ولو نزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون و لوجعلنه ملکا لجعلنه رجلا و للسبنا علیهم ما یلبسون:**

یعنی اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتراتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہیں دی جاتی اور اگر ہم نے نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔

تفسیر روح البیان کے پیشِ نظر یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب ایک مرتبہ نضر بن حارث، عبد اللہ بن امیہ، نوفل بن خویلد اور ان کے ساتھیوں نے سرور کائنات ﷺ کے اعلائے کلمۃ الحق کے جواب میں کہا کہ ہم اس وقت کفر و شرک سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہوں گے جب کم از کم چار فرشتے آ کر ہمارے سامنے برملا اس بات کی گواہی دیں کہ آپ رسول برحق ہیں اور جس کتاب کو آپ منزل من اللہ کہتے ہیں وہ اس کی تصدیق کریں کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ دوسری بات یہ کہنے لگے کہ ہم کسی انسان کو رسول نہیں مان سکتے کیوں کہ منصب رسالت کے حامل ہونے کی صلاحیت انسان کے اندر مفقود ہے۔ لہذا اے محمد ﷺ! ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے اگر کوئی فرشتہ رسول بن کر آئے اور ہمارے سامنے تبلیغ و ارشاد کے فرائض انجام دے تو پھر بسر و چشم اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہو کر سائبان اسلام میں آ جائیں گے۔

مذکورہ آیات بینات میں جہاں ان کافروں کے مطالبات کی عدم تکمیل کی وجوہات بیان کیں وہیں اس کے نفع کا بھی ذکر کیا بایں طور کہ اگر ان کے مطالبوں کی تکمیل کر دی جاتی ہے اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو پھر ان پر عذاب واجب ہو جاتا اور انجام کار وہ نیست و نابود کر دئے جاتے۔ ایسا نہ ہونے کی بنیاد پر کم از کم انہیں اتنا فائدہ تو ہوا کہ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ ثانیاً یہ کہ اگر فرشتے آ بھی جاتے تو انہیں دیکھنے کی ان میں قدرت و صلاحیت ہی نہیں۔ جب انسان کسی جن کو اس کی شکل اصلی میں نہیں دیکھ سکتا چہ جائے کہ کسی فرشتے کو۔ ثالثاً یہ کہ جب کسی نبی نے کسی فرشتے کو اس کی شکل اصلی میں نہیں دیکھا تو کفار بھلا کیسے دیکھ پاتے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ نبیوں کے پاس خواہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں یا کوئی اور فرشتہ جب بھی آئے تو شکل انسانی میں نہ کہ اپنی شکل ملکوتی میں۔ یہ طرۂ امتیاز صرف اور صرف ہمارے آقائے کریم ﷺ کا ہے کہ آپ نے

سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک بار نہیں بلکہ دو بار ان کی شکل اصلی میں دیکھا جیسا کہ ہم اس سے پیشتر حدیثوں کے آئینے میں اس کی تفصیل پیش کر چکے ہیں۔

زیر نظر آیات سے فرشتوں کی عظمتوں کے پہلو بہ پہلو مطالبہ کرنے والے کفاروں کی قلعی بھی کھل گئی کہ یہ اپنے مطالبات میں قطعی طور پر مخلص نہیں ہیں بلکہ دل پر مہر ثبت ہو گئی ہے۔ یہ دولت ایمان سے یکسر محروم ہو گئے ہیں آیت کے آخری جز" **وللبسنا علیھم ما یلبسون** " سے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی مزید واشگاف ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی فرشتہ بھی رسول بن کر آجاتا ہے تو بھی یہ وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہوئے ہیں۔

ذکر کی ترغیب:

سورۂ اعراف کے رکوع نمبر چوبیس میں رب کائنات اپنے مومن بندوں کو ذکر کا حکم دیتے ہوئے اپنے مقربین ملائکہ کا تذکرہ فرمارہا ہے جو للّٰہیت اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی تقدیس و تسبیح بیان کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے تاکہ مومنوں کے اندر بھی ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کی رغبت پیدا ہو، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول بالغدو الآصال و لا تکن من الغٰفلین ان اللذین عند ربك لا یستکبرون عن عبادته و یسبحونه و له یسجدون یعنی اور اپنے رب کو دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بولتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ قرآن مقدس کی پہلی آیت سجدہ ہے، آیت سجدہ کے متعلق مسلم شریف

کی حدیث ہے کہ جب بندۂ مومن آیت سجدہ پڑھکر رب کائنات کی بارگاہ میں سجدہ گزار ہوتا ہے تو شیطان کی حالت اس قدر خراب ہو جاتی ہے کہ وہ بے تحاشا روتے ہوئے یوں اظہار تاسف کرتا ہے کہ بنی آدم حکم سجدہ پر عمل پیرا ہو کر مستحق جنت بن گیے اور حیف صد حیف میں منکر سجدہ ہو کر جہنم کا ایندھن بن گیا۔

مذکورہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو پانچ صفتوں کے ساتھ ذکر کی طرف راغب فرما رہا ہے،''فی نفسک''یعنی رب قدیر کا ذکر، ذکر خفی (دل میں ذکر الٰہی کرنا)''تضرعا''عاجزی کے ساتھ'' خیفۃ''مع خشیت''دون الجہر''درمیانی آواز سے صبح شام کیا کرو۔ ذکر خفی کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ ذکر میں ریا ذرہ برابر بھی ملوث نہ ہو سکے ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذکر جلی ناجائز یا ناروا ہے۔آیت قرآنیہ میں کہیں ذکر جلی کا حکم ہے تو کہیں ذکر خفی کا اور احادیث نبویہ میں کہیں ذکر خفی کو افضل کہا گیا ہے تو کہیں ذکر جلی کو ۔اس کی واضح مثالیں روزمرہ کی عبادتوں میں بخوبی موجود ہیں۔ مثلاً ظہر وعصر کے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تلاوت خفی (سری) کا حکم ہے تو دگر تین نمازوں کے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تلاوت جلی (جہری) کا۔ اسی طرح جمعہ وعیدین میں بھی تلاوت جلی کی جاتی ہے،عید الفطر میں جہاں تکبیر تشریق آہستہ کہی جاتی ہے وہیں عید الاضحیٰ میں بہ آواز بلند، بلفظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں قسم کے ذکر عند اللہ مقبول اور باعث صد رحمت ونعمت ہیں بشرطیکہ ذکر للّٰہیت سے متصف ہو اور ریا تو ریا شائبہ ریا سے بھی مبرا ومنزہ ہو۔ ذکر الٰہی کی کیا تخصیص بلکہ کوئی بھی عبادت یا کوئی بھی امر خیر ہو جہاں اس کے لیے اخلاص ایک ناگزیر امر ہے اس کا ریا سے پاک وصاف ہونا بھی حصول مقبولیت کے لیے ایک لازمی جز ہے۔

ذکر خفی کے فوائد اپنی جگہ مگر ذکر جلی کی افادیت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ذکر جلی سے ذاکر کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ جہاں تک اس کے ذکر کی آواز جاتی ہے وہاں تک ذرہ ذرہ اس کے ذکر کا شاہد بن جاتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ لوگ جو خداوند

قدوس کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں جن کے دلوں پر غفلت کی دبیز چادر پڑی ہوئی ہے، جن کی زبانیں ذکر الٰہی سے کبھی آشنا نہیں ہوتیں ان کے خفتہ ضمیر کو ذاکر کا ذکر نہ صرف یہ کہ بیدار کرتا ہے بلکہ انہیں ذاکرین الٰہی کے روشن صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ نتیجتاً عاقلوں کے قلوب واذہان رب قدیر کے ذکر جمیل سے مصفٰی ومزکی بن جاتے ہیں۔

بالغد و االآصال یعنی صبح وشام ذکر کرو کا بھی یہ مطلب نہیں کہ صبح وشام کے علاوہ اور وقتوں میں ذکر الٰہی ممنوع ہے بلکہ یہاں صبح وشام کی قید قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے کیوں کہ صبح وشام کے اوقات ایسے برکت، خیر اور رحمت آمیز ہوتے ہیں کہ ان اوقات میں شب وروز کے پرنور فرشتوں کا نوری اجتماع ہوتا ہے اور اس نوری اجتماع سے صبح وشام کا لمحہ لمحہ زعفران زار بنا رہتا ہے۔

واضح رہے مذکورہ دوسری آیت میں الذین سے مراد فرشتوں کی وہ ذوات مقدسہ ہیں جو مقربین کہلاتی ہیں۔ اس سے پیشتر ہم نے فرشتوں کے اقسام میں قدرے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ کچھ فرشتے وہ ہیں جو مدبرات امر کہلاتے ہیں اور یہ من جانب اللہ مختلف امور کی انجام دہی کے لیے مامور ومتعین ہوتے ہیں ان کے علاوہ کچھ فرشتے وہ ہیں جنہیں مقربین کہا جاتا ہے۔ یہ وہ خوش بخت وسعادت مند فرشتے ہیں جو ہمہ وقت خداوند قدوس کی عبادت میں مصروف ومشغول رہتے ہیں ان فرشتوں کی عظمت شان کا یہ عالم ہے کہ یہ کبھی ذرہ برابر بھی عبادت وریاضت، تسبیح وتہلیل اور ذکر وفکر میں تکبر نہیں کرتے بلکہ من کل الوجوہ انہماک واستغراق اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ کائنات کے رب کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات بینات کا ماحصل یہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ مقربین فرشتوں کے ذکر سے ہم مومنوں کو یہ درس حاصل کرنا چاہئے کہ جب مقربین فرشتے خلاق کائنات کے احکام کی تعمیل میں سرموانحراف نہیں کرتے بلکہ قابل رشک محویت کے ساتھ اس کی عبادت

میں لگے رہتے ہیں پھر ہمیں بدرجہ اولیٰ غفلتوں کی دلدل سے نکل کر رب کائنات کی عبادات اور اس کے احکام کی تعمیل کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانا چاہیے کیوں کہ اگر تجزیہ کیا جائے تو فرشتوں کے بالمقابل خداوند قدوس کے ہم پر انعام واکرام بے حد کثیر ووقیع ہیں۔

سب سے مقرب فرشتہ کون؟

گفتگو ملائکہ مقربین کے سلسلے میں چل رہی تھی ،واضح رہے کہ تمام فرشتوں میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام خداوند قدوس کے سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ بلفظ دیگر تمام فرشتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو قرب آپ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے فرشتے کو نہیں۔ تفسیر کبیر میں اس کی کئی وجہیں بیان کی گئیں ہیں۔ ان میں انتہائی اہم وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے خداوند قدوس براہ راست کلام فرماتا ہے۔ اس میں یہ بھی مندرج ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو پسند فرماتا ہے تو سب سے پہلے اس کا ذکر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کرتا ہے ،پھر آپ حضرت میکائیل علیہ السلام سے پھر وہ دوسرے مقرب فرشتوں سے ،اسی طرح جب یہ چرچا مقربین فرشتوں میں عام ہو جاتا ہے تو پھر تمام فرشتے اس خوش بخت اور خاص بندے پر رحمت نچھاور کرتے ہیں۔ نہ صرف مقربین بلکہ آسمان وزمین کے تمام فرشتے رب قدیر کے اس خاص بندے پر رحمتوں کی برسات کرتے ہیں۔

سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی بات آئی تو قارئین ذیل میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ایمان افروز حدیث ملاحظہ فرمائیں جو المجمع الاوسط للطبرانی کے اندر موجود ہے۔

رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل خانہ میں کوئی اپنے مرحوم

کے لیے صدقہ وخیرات کے ذریعہ ایصال ثواب کرتا ہے تو اس ثواب کا تحفہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک خوبصورت تھال میں رکھ کر اس قبر والے کے سرہانے جا کر یوں کہتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔

ھذہ ھدیۃ اھداھا الیک اھلک فاقبلھا یعنی اے قبر والے! تیرے فلاں عزیز نے تیرے لیے یہ ثواب کا تحفہ بھیجا ہے تو اسے قبول کر وہ شخص قبول کرنے کے ساتھ ساتھ بے پناہ خوشیوں کا اظہار کرتا ہے اور دیگر اہل قبور کو یہ خوش خبری سناتا ہے اور ان میں جن کو ثواب کا تحفہ نہ ملا ہو تو وہ افسردہ ہو جاتے ہیں۔

فرشتوں کو موت کب آئے گی؟

اب رہا یہ سوال کہ فرشتوں کو موت آئے گی یا نہیں؟ اگر آئے گی تو کب آئے گی؟

اس سلسلے میں سیدی اعلی حضرت نے فتاویٰ رضویہ شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت پیش کی ہے کہ جب آیت مقدسہ **'کل من علیھا فان** (جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں) کا نزول ہوا تو ملائکہ نے آپس میں کہا کہ زمین والے مرے یعنی ہم موت سے مامون ہیں۔ جب یہ آیت پاک **'کل نفس ذائقۃ الموت"** (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) نازل ہوئی تو ملائکہ نے کہا اب ہم بھی مرے" مزید برآں سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے حضرت امام رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے تحریر فرمایا" **وکل ملک الموت یقبض ارواح المومنین و الملائکۃ"** (ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر متعین ہیں)

بیہقی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام کے علاوہ سب فنا ہو جائیں گے تو خداوند قدوس حضرت عزرائیل علیہ السلام سے استفسار فرمائے گا کہ یہ بتاؤ

اب کون باقی ہے؟ آپ عرض کریں گے بار الٰہ! ''**بقی وجهك الباقی الدائم و عبدك جبريل و ميكائيل و ملك الموت**'' یعنی باقی ہے تیری ذات، ہمیشہ رہے گی اور تیرے بندے جبرئیل و میکائیل و ملک الموت باقی ہیں۔ رب قدیر فرمائے گا میکائیل کی روح قبض کرلو پھر فرمائے گا اب کون باقی ہے؟ تو آپ فرمائیں گے جبریل و ملک الموت پھر فرمائے گا ''**تغرف نفس جبريل** ''یعنی جبریل کی روح قبض کرلو۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے قبض روح کے بعد خداوند کریم حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمائے گا ''مُت'' مرجاؤ تو ان پر بھی موت طاری ہو جائے گی۔ جب سب فنا ہو جائیں گے تو خداوند کونین فرمائے گا **لمن الملك اليوم** یعنی آج کس کی بادشاہت ہے؟ جب کوئی زندہ ہی نہیں ہوگا تو جواب کون دے گا۔ خدائے کریم لم یزل خود اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمائے گا۔

لله الواحد القهار یعنی آج بادشاہی ہے اللہ غالب کی۔

خداوند قدوس اپنے حبیب مکرم ﷺ کے صدقے ہمارے ایمان میں استحکام عطا فرمائے گا ایمان پر تادم حیات قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

☆☆☆

DAARAIN ACADEMY, JAMSHEDPUR

A Unique
Residential Islamic Institute

دارین اکیڈمی
آزادنگر جمشیدپور

دینی اور دنیاوی تعلیم کا حسین سنگم شمالی ہند میں اپنی نوعیت کا منفرد اقامتی ادارہ

ادارہ کے قیام کا مقصد
مسلم نوجوانوں کو آئی ایس، آئی پی ایس، ڈاکٹر اور انجینئر بنانے کی راہ ہموار کرنا

پانچ سال میں مکمل حفظ قرآن کے ساتھ میٹرک پاس

ہو علم تو پھر کیا نہیں قبضے میں تمہارے ☆ تم چاہو تو جنگل کو بھی گلزار بنا دو

☆ادارہ کا تعلیمی نصاب پانچ سال پر مشتمل ہے۔☆چار سال میں حفظ کلام پاک مکمل اور پانچویں سال میں دسویں اور میٹرک کا امتحان☆ادارہ میں سائنس، حساب اور سماجی علوم کے ساتھ انگریزی تعلیم CBSE PATTERN پر دی جاتی ہے۔(اور امتحان جھارکھنڈ بورڈ کے ذریعے دلوایا جائے گا)☆ادارہ کا نظام الاوقات (TimeTable) تین گھنٹہ دینیات اور ساڑھے تین گھنٹہ عصری تعلیم پر مشتمل ہے☆داخلہ کے وقت طالب علم کی عمر ۹ سے ۱۱ سال تک ہونی چاہیئے۔☆داخلہ بذریعہ ٹیسٹ ہوتا ہے۔☆امیدوار کے لیے کلام پاک ناظرہ صحت کے ساتھ پورا کرنا اور ہندی انگریزی کی بنیادی معلومات ضروری ہیں☆داخلہ کے وقت برتھ سرٹیفکیٹ اور آدھار کارڈ ساتھ میں ضرور لائیں۔☆طالب علم کے لیے کسی بھی قسم کا موبائل رکھنے کی اجازت نہ ہوگی، والدین اور سرپرست سے بات کرانے کی سہولت ادارہ کی طرف سے فراہم کی جاتی ہے۔

داخلہ کے وقت ضروری اشیاء: (۱) تین عدد کرتا پائجامہ (۲) سفید جوتے دو عدد (۳) دو عدد چادر (بستر کی) (۴) گرمی سردی میں اوڑھنے کے سامان (۵) ایک عدد اٹیچی (۶) طالب علم اور سرپرست کے چھ چھ فوٹو۔

مزید تفصیلات کیلئے رابطہ کریں

عبدالمالک مصباحی
خطیب و امام مدینہ مسجد بانی و ڈائریکٹر دارین اکیڈمی، آزادنگر، جمشیدپور

ویب سائٹ www.razafoudationjsr.com   موبائل: 8409987217

۷۸۶/۹۲

ادارہ افکار رضا کی

فخریہ پیشکش

صد سالہ عرس مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ۱۴۴۰ھ کے موقع پر

دوماہی

رضائے مدینہ

جمشید پور کا

امام احمد رضا صدی نمبر

جس میں امام احمد رضا اور سماجی اصلاحات اور امام احمد رضا اور سائنسی علوم پر ہند و بیرون ہند کے کہنہ مشق قلمکار اور ژرف نگاہ اصحاب قلم کی بیش قیمت تحریریں شامل ہیں۔

اہل ذوق حضرات اسے حاصل کر کے اپنی معلومات میں اضافہ اور الماری کی زینت بنائیں۔

ہدیہ: 600 روپے

صفحات: 640

ناشر

ادارہ افکار رضا جمشید پور

موبائل: 8409987217

FARISHTON KE AHWAL

by

Sayed Aulade Rasul Qudsi Misbahi

علم وادب کی دنیا میں اپنی منفرد شناخت بنانے والے عالم دین، دیارِ غیر میں حق وصداقت کا پرچم لہرانے والے معمار خطیب اور مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک ترجمان ونقیب

حضرت علامہ سید اولاد رسول قدسیؔ

کی چند علمی کتابیں جو طبع مشتاق کی تسکین کے لیے منظر عام پہ آگئیں

سیرت سرور دو جہاں

اردو دنیا کی منفرد منظوم کتاب جو ''شاہنامہ اسلام'' کے بعد وجود میں آئی اور ارباب علم وادب کو متاثر کیا

قلم آشنا

علاّ سید اولاد رسول قدسیؔ کے علمی مقالوں کا مجموعہ جس سے مقالہ نگار کے علم اور جذبہ خدمت دین کا پہلو واضح ہے

فکر مسلسل

عہد حاضر کے ممتاز نعت گو شاعر کا آٹھواں مجموعۂ نعت، جس سے نعتوں کی دنیا میں ان کی قابل رشک خدمت مترشح ہے

بس یہی ہے راہ جنت

مسلک اعلیٰ حضرت پہ مقالوں کے مجموعہ کے ساتھ ایک منفرد اور انقلابی کام ہے، جس میں مسلک اعلیٰ حضرت پہ انقلابی نظمیں شامل ہیں

فرشتوں کے احوال

فرشتوں کے احوال وکوائف کے بارے میں ایک معلومات افزا کتاب

ذکر رضا

امام احمد رضا کی پہلی منظوم سوانح حیات کا انگریزی منظوم ترجمہ

مؤخر الذکر دونوں کتابیں ادارۂ افکار رضا جمشید پور سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

بقیہ کتابیں رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

موبائل نمبر: 7021708690 سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

Published by EDARA AFKAR-E-RAZA, JAMSHEDPUR
Jharkhand.831210 Mob:8409987217

creativestar PUBLICATIONS
Jamia Nagar, New Delhi-110025
+91 9958380431 +91 8851148278

ISBN 978-93-87884-41-0
9 789387 884410